سلہ تحفظ ختم نبوت (۹)

تین قیمتی رسالے

۱ مسلمانوں پر بلائیں کیوں آتی ہیں

جمع و ترتیب محمد ثمین اشرف صاحب

۲ مسلمانوں کے دنیوی مصائب کے دینی اسباب

از حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

۳ نجات المؤمنین

از حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رحمہ اللہ

ناشر
مکتبہ تحفظ ختم نبوت
مادھوپور سلطانپور سیتامڑھی بہار

قیمتی تین رسالے

(۱) مسلمانوں پر بلائیں کیوں آتی ہیں؟

جمع وترتیب: (محمد ثمین اشرف)

(۲) مسلمانوں کے دنیوی مصائب کے دینی اسباب

از (حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ)

(۳) نجات المومنین

از (حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ)

ناشر:

مکتبۂ تحفظ ختم نبوت، مادھوپور سلطان پور، سیتامڑھی، بہار

اس رسالہ کی طباعت کی ہر شخص کو اجازت ہے

نام کتاب	:	مسلمانوں پر بلائیں کیوں آتی ہیں؟
مصنف	:	مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی
صفحات	:	۹۶
سن اشاعت	:	۲۰۲۴
ناشر	:	مکتبۂ تحفظِ ختم نبوت، مادھو پور سلطان پور، سیتامڑھی، بہار
بہ اہتمام	:	امام بخاری ریسرچ اکیڈمی (امیر نشان، ہاتھی ڈوبا، علی گڑھ، یوپی)
طباعت	:	شمسی پبلیکیشنز، سبزی باغ پٹنہ

کتاب ملنے کے پتے

ادارہ دعوۃ الحق، مادھو پور سلطان پور، سیتامڑھی، بہار

امام بخاری ریسرچ اکیڈمی، ہاتھی ڈوبا، امیر نشاں، علی گڑھ

مکتبہ احسان، مکارم نگر، لکھنؤ

کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند

فہرست

❁ تعارف کتب	۶
❁ تمہیدی بات	۱۷
❁ مسلمانوں پر بلائیں کیوں آتی ہیں	۲۰
❁ صبر پر انعام ملنا یقینی ہے اور غیروں کو محرومی ہے	۲۲
❁ صبر سے ایمان وایقان میں اضافہ	۲۳
❁ محبوب کی آزمائش کا راز	۲۴
❁ یقین میں اضافہ اور قرب میں ترقی	۲۵
❁ مصائب زینہ ہیں منازل قرب کے	۲۵
❁ مصائب قابل مبارک باد ہیں	۲۶
❁ مصائب سے معیت انبیاء کا حصول	۲۷
❁ مصائب سے ایمانی نشوونما کی تکمیل	۲۷
❁ دنیا وآخرت اور طیب وخبیث کا فرق	۲۸
❁ مخلص ومنافق کی پہچان	۳۱
❁ تکمیل عبدیت	۳۲
❁ تطہیر سیآت	۳۲
❁ غالب وہی ہے جس کو اللہ ورسول کی معیت حاصل ہے	۳۴
❁ زخم محبت وفدائیت اور۔۔۔	۳۵
❁ سنت الٰہی کا اجرا اور رزق واجل کی تکمیل	۳۵

- منافق کی شناخت ۳۵
- تم کو الم جدائیگی پر اور ان کو مقام شہادت ۳۵
- غیروں کے غلبہ سے تمہاری انابت مقصود تھی۔ ۳۶
- کیا تم راستے سے ہٹ کر جنت میں داخل ہونا چاہتے ہو ۳۶
- ابتلاوامتحان: مزین وملون دنیا کے ذریعے ۳۷
- انسان مدنی الطبع ہے ۴۰
- سبب امتیاز ۴۱
- موت یا شہادت ۴۳
- موت شہادت اشرف واسہل ہے ۴۴
- شہادت کا مقام ۴۴
- سنت الٰہی ۴۵
- ابلیس کی مثال ۴۶
- مسلمانوں کے دنیوی مصائب کے دینی اسباب؟ ۴۸
- حضرت مجدد الف ثانی کا قول ۵۷
- حضرت شاہ ولی اللہ کی تشریح ۵۸
- مجازات کا قانون ۶۰
- نجات المومنین ۶۷
- نجات کی روایات ۶۹
- ان روایات کے ذکر کا اہتمام ۷۳
- ایمان کیفی ۷۶

❁ دوسری قسم کی احادیث	۷۷
❁ توحید ورسالت کا اقرار جہنم سے نجات کا ذریعہ	۷۷
❁ جہنم کفار کے لئے مخصوص ہے	۸۲
❁ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا قول	۸۲
❁ حضرت امام ربانی کا قول	۸۳
❁ اس مضمون کو روایت کرنے والے صحابہ کی تعداد اور نام	۸۴
❁ اقرار توحید کے ساتھ تصدیق رسالت ضروری ہے	۸۵
❁ موحد کی چار قسمیں	۸۵
❁ بعض کے لئے اقرار توحید نجات کے لئے کافی ہے	۸۵
❁ بداعمالیوں کی سزا دنیا اور برزخ اور قیامت میں ملے گی	۸۹
❁ جہنم کی وعید صرف سزا کا ذکر ہے	۹۲
❁ گناہ بہرحال نقصان دہ ہے	۹۳
❁ صاحب ایمان کبھی بے خوف نہیں رہ سکتا	۹۴
❁ اعمال صالحہ کے فوائد	۹۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعارف کتب

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ مُحَمَّدٍ رَّسُوۡلِ اللّٰہِ مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ، اَمَّا بَعۡدُ!

حضرات!

اس وقت آپ کے سامنے تین رسالے کا مجموعہ پیش ہے۔

(۱) مسلمانوں پر بلائیں کیوں آتی ہیں۔جمع وترتیب: محمد ثمین اشرف

(۲) مسلمانوں کے دنیوی مصائب کے دینی اسباب۔ازحضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

(۳) نجات المومنین۔ازحضرت مولانا محمد علی مونگیری

ان رسائل کا مختصر تعارف یہ ہے کہ عموماً مسلمانوں پر آفات و بلیات اور مختلف اقسام کی مصیبتیں آتی رہتی ہیں اور کسی ایک ملک میں نہیں، بلکہ جہاں کہیں بھی کلمہ والے بس رہے ہوں، خواہ وہ مسلم ممالک میں ہوں یا غیر مسلم مما لک میں۔نشانہ بلاؤں اور آزمائشوں کا کلمہ والا، صاحب توحید ورسالت ہی بن رہا ہے یا بنایا جارہا ہے۔ہم سیاسی حالات پر قطعاً کلام نہیں کرتے۔ہمارا موضوع محض اور محض معاد اور آخرت ہے اور آپ بھی اسی فکر ونظر سے ان رسائل کا مطالعہ کریں۔

کیوں کہ معاد وآخرت کا نظریہ حتمی ویقینی ہے اور اس کی بنیاد قرآن مجید اور احادیث خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

(۱) مسلمانوں پر بلائیں کیوں آتی ہیں:

رسالہ ''مسلمانوں پر بلائیں کیوں آتی ہیں'' کا موضوع بھی سو فیصد یہی ہے کہ قدرت کے نظام کے تحت، توحید و رسالت اور ختم نبوت کا عقیدہ رکھنے والے کو ارحم الراحمین، رب کریم، عذاب نار دینا نہیں چاہتا؛ کیوں کہ وہ بے ایمان کیلئے تیار کی گئی۔ اُعِدَّتۡ لِلۡکَافِرِیۡنَ۔

گناہ و نافرمانی کی نجاست و گندگی کی صفائی و ستھرائی دنیاوی زندگی میں رنج والم، آلام و مصائب کے تکوینی نظام کے زیر اثر نجات مل جاتی ہے یا پھر برزخ میں مختلف احوال کے ذریعہ خلاصی کا الٰہی نظام گناہ کے داغ و دھبوں کو صاف ستھرا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے ماننے والوں کو عذاب نار سے خلاصی عطا کر دیتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ کلمہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کے دل سے اقرار کے بعد عذاب نار نہیں ہوتا؛ کیونکہ آگ کا عذاب اُعِدَّتۡ لِلۡکَافِرِیۡنَ ہے۔

(۲) مسلمانوں کے دنیوی مصائب کے دینی اسباب:

یہ رسالہ یا مضمون حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی نور اللہ مرقدہ کا ہے۔ جو شیخ الہند اور علامہ انور شاہ کشمیری، اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ کے جلیل القدر اور عظیم المرتبت تلامذہ میں نور نظر ہیں۔ حضرت نے سورہ واللیل کی آیت: فَاَنۡذَرۡتُکُمۡ نَارًا تَلَظّٰی لَا یَصۡلٰہَاۤ اِلَّا الۡاَشۡقَی الَّذِیۡ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی کے پیش نظر مستقل بن کر اہل علم کے سامنے بات رکھی ہے اور حضرت کی تحریر جامع ترین ہے اور تمام گوشوں کو شکوک و شبہات سے بے غبار کرتے ہوئے قوتِ یقین عطا کرتی ہے کہ حق تعالیٰ رحیم و کریم نے ایمان باللہ اور ایمان بالنبی الخاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی عظیم نعمت عطا کی ہے کہ عذاب

نار سے ابدی نجات مل جاتی ہے۔ اور مومن کا رابطہ عذابِ جہنم سے ختم ہو جاتا ہے اور عذابِ نار کا مومن سے تعلق ٹوٹ اور چھوٹ جاتا ہے۔ الحمد اللہ

اور جہاں تک تعلق ہے گناہ و معصیت کے داغ اور دھبہ کا تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کے بنائے ہوئے کریمانہ و رحیمانہ قانونِ جزاء و سزا کے تحت دنیاوی زندگی کے مصائب و آلام سے پورا کر دیا جاتا ہے۔ یا پھر برزخی زندگی میں مختلف احوال و آلام کے ذریعہ صفائی ستھرائی کر دی جاتی ہے۔ مگر عذابِ نار نہیں ہوتا نہ دیا جاتا ہے کہ عذابِ نار اور ایمان باللہ و بالنبی الخاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ مولانا کے الفاظ میں جہنم کی آگ مؤمن کیلئے حرام اور مؤمن جہنم کی آگ کیلئے حرام۔ یعنی نہ جہنم مسلمان کیلئے نہ مسلمان جہنم کیلئے۔ تفصیل مولانا گیلانیؒ ہی کی تحریر میں پڑھیئے اور ایمان پر اللہ تعالیٰ کی حمد کیجئے۔

مولانا گیلانیؒ نے اُن تمام شکوک و شبہات کو جو کسی کے گوشۂ خیال میں وارد ہو سکتے ہیں، تمام کا احاطہ کر کے علمی گہرائی و گیرائی کے ساتھ تشفی و تسلی بخش جواب دیا ہے۔ رسالہ پڑھیئے اور انکی روح کو اجر و ثواب کا تحفہ پیش کیجئے۔

بعض حضرات کا خیال ہے یہ مولانا مرحوم کے تفردات میں سے ہے اور یہ اُن کا ذاتی ذوق اور علمی تحقیق ہے۔ اسی لئے مولانا گیلانی نے مستفتی بن کر اپنی بات پیش کی ہے۔ اب اس مضمون کی تائید یا اس موضوع پر مولانا کے ہم عصر علماء نے کچھ لکھا یا نہیں لکھا، یہ میرے علم میں نہیں ہے۔ ممکن ہے اہل علم حضرات کی آراء آئی ہوں واللہ اعلم۔ تاہم مولانا کی تحریر حق تعالیٰ کی کریمانہ و رحیمانہ عنایت و رحمت جو ایمان باللہ و بالنبی الخاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعمت پر محض فضل کے تحت ہو گی، وہ لاجواب ولاثانی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳) تیسرا رسالہ ''نجات المومنین''۔ حضرت عارف باللہ قطب عالم حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کا ہے:

قارئین کرام! بس آپ یوں سمجھئے کہ حضرت گیلانیؒ کی تحریر متن کی حیثیت رکھتی ہے اور حضرت مونگیریؒ کی تحریر انیق شرح اور تبیین وتشریح اور شرحِ صدر کی قوتِ یقین کو مستحکم اور مضبوط کرتی ہے، جہاں جہاں حضرت گیلانیؒ نے اشارہ وکنایہ نصوص کی جانب کیا ہے، حضرت مونگیریؒ نے تفصیل کے ساتھ نصوص کو ذکر کر کے بات کو صاف اور واضح کر دیا ہے۔

مثلاً نجات المسلمین میں:

(۱) شرک باللہ کا معنی اور مفہوم متعین کیا گیا ہے اور اس کی سزا۔

(۲) اقرار توحید اور تصدیق رسالت اور اس کی جزاء۔ پھر ایمان باللہ اور تصدیق رسالت کے ساتھ گناہ ومعصیت کی صفائی کیسے ہوگی۔

(۳) حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کمی کوتاہی یا چھوڑنے اور ترک کرنے پر اس کی تلافی کا قدرتی رحیمانہ وکریمانہ قانونِ الٰہی کیسے نافذ ہوگا۔ اس باب میں نجات المسلمین میں پانچ احادیث خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائی گئی ہیں۔ حضرت مونگیریؒ نے پانچوں احادیث کی روشنی میں نجات کیسے ہوگی، اس کی صاف وضاحت فرمائی ہے اور کلمہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی ربانی اخروی قوت نجات پر خاتمہ بالخیر کے ساتھ کلام کیا ہے۔

(۴) حدیث نمبر (۱) سے نمبر (۱۲) تک احادیث میں حضرت نے ثابت کیا ہے کہ کلمہ والوں کا داخلۂ جنت حتمی اور یقینی ہے اور اس سے وہ تمام خلش جو کسی کو ہو سکتی ہے، تمام کا جواب اور ازالہ فرمایا ہے اور ساتھ ہی کلمہ کا تقاضا کیا ہے اور اخلاص کی حقیقت کا واضح شافی بیان ہے۔

(۵) حضرت مولانا مونگیریؒ نے ایمان کو ایک امر کیفی بتلایا ہے۔ یعنی ایمان ایک ذوقی اور وجدانی کیفیت و حقیقت ہے، جو ایک مؤمن اپنے قوت یقین، جو اعمال صالحہ کے استمرار و استقامت کے بعد محسوس کرتا ہے اور اس میں کوئی میزان و پیمانہ نہیں ہے جس سے ایک شخص دوسرے کا موازنہ کر سکے، صاحب ایمان ہی اپنی عملی زندگی میں اس کیفیت کو محسوس کرتا ہے اور یہ بڑھتا اور گھٹتا بھی ہے۔

(٦) حضرت نوراللہ مرقدہ نے اُن احادیثِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقل کیا ہے، جس میں کلمہ والوں کے جنت کے داخلہ کی حتمی و یقینی خبر مخبر صادق خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے اور نارِ جہنم اس کو نہ چھوئے گی۔ اس موضوع کو علمی گہرائی کے ساتھ احاطہ کیا ہے اور ساتھ ہی قرآن مجید کی وہ آیات بھی ذکر کی ہیں، جس میں نارِ جہنم کی وعید آئی ہے اور اس کا ایسا انوکھا اور نرالا مفہوم متعین کیا ہے کہ احادیث ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطابقت ہو جائے اور کوئی تعارض نہ ہو۔

الحاصل ہمارے دونوں بزرگوں کا مضمون ایک ہی ہے کہ اقرارِ توحید اور تصدیقِ رسالت موت تک جو بچا لے گیا تو بانصیب و بخت والا ہے۔

ان تینوں رسالوں کو حضرت خاتم النبیین و رحمۃ للعالمین علیہ الف الف صلاۃ و سلام، ہر صبح و شام، یوم معاد تک، کی ایک بنیادی حدیث کی روشنی میں پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کیجیے پھر آپ کے اندر کلمہ طیبہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی قدر و منزلت جا گزیں ہوگی اور اللہ و رسول پر ایمان کی حقیقت منکشف ہوگی۔

میری امت عند اللہ مرحوم ہے

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمَّتِيْ أُمَّةٌ مَرْحُومَةٌ لَيْسَ عَلَيْهَا عَذَابٌ فِي الآخِرَةِ، عَذَابُهَا فِي الدُّنْيَا الْفِتَنُ

وَالزِلْزَالُ وَالْقَتْلُ۔ (ابوداؤد، رقم ۴۲۷۸، احمد ۱۹۶۷۸، ابن حمید ۵۳۶، حاکم ۴؍ ۴۴۴، فتح القدیر درقم ۱۶۲۲)

رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت قابل رحم امت ہے (یعنی ارحم الراحمین نے رحمۃ للعالمین ﷺ کی امت کو رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ کے زیر اثر رکھا ہوا ہے اور بروز قیامت اس امت کو قانونِ رحمت کے تحت تمام تر منازل سے قانونی طور پر طے کرایا جائے گا، عذاب بالنار نہیں ہوگا، مختلف احوال کے ذریعہ معصیت اور گناہ کی سزا و جزا کے ذریعہ کفارہ بنا دیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

میری امت پر آخرت میں عذاب نہیں ہوگا، دنیا میں ہی عذاب سے جزا و سزا کے قانون کو پورا کر دیا جائے گا (رنج و غم بلا و آفات، جان و مال کا تلف، بیماری و پریشانی، آزمائش و ابتلا ہوگا)۔

اول: الفتن: فتن کا مفہوم ہے یہ امت اگر اللہ کے حدود اور قوانین کو پامال کرے گی، تو اس جرم کی جزا و سزا امت پر جنگ و جدال، قتل و غارت اور نا گفتہ احوال اور نا قابل برداشت آلام و مصائب اور دل دہلا دینے والے رنج و صدمے میں مبتلا کر کے دنیا میں ہی دے دی جائے گی؛ تاکہ آخرت کے عذاب بالنار سے بچایا جائے اور یہ بھی ارحم الراحمین کی امت پر رحمت ہوگی جو بشکل زحمت و مصیبت نظر آ رہی ہے گویا کہ امت کو گناہ کی سزا جلد ہی دنیاوی زنگی میں دے دی جاتی ہے۔

دوسری صورت ہے سزا کی الزلازل: زلزلہ تو معروف ہے حدیث میں زلازل سے مراد ہے امت پر اضطراب، حالات کا تنگ ہو جانا، شدائد و پریشانیوں کا گھیر لینا، آزمائشوں کی غیر معمولی مسلسل و پیہم زنجیروں میں جکڑ دینا، دجالی اور غیر اسلامی طاقتوں کا متحد ہو کر کمزور و ضعیف مسلمانوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک کرنا، مساجد و

عبادت خانوں کو منہدم کر کے شعائرِ اسلامی کو پامال کرنا، منکرات و معاصی کو قانونی طور پر تحفظ و رواج دینا، معروف و مامورات اور صلاح و تقویٰ اور اشاعت خیر و فلاح اور ان کے اہل پر قانونی پابندیاں عائد کر کے حصارِ سلاسل کر دینا، ظلم و ستم اور معصوم و بے گناہ لوگوں کو قتل و غارت کا نشانہ و ہدف بنانا اور ظالم کی مدد کر کے طغیان و عدوان کی حوصلہ افزائی کرنا۔ ان تمام زلازل کو صاحب ایمان دن رات دیکھتا ہے، سنتا ہے، مگر بے بس و بے کس ہے، اپنے مظلوم بھائیوں کی نصرت و مدد نہیں کر سکتا، کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجازات کے تکوینی نظام و مراحل سے گزر رہا ہے۔

تیسری صورت سزا کی ہے، القتل والبلاء: یعنی یہ امت جب خیر و بھلائی کے راستہ کو چھوڑ دے گی، تو مجازات کے قانون کے تحت قتل و بلاء میں مبتلا کر دیا جائے گا (جس کا مشاہدہ خوب ہو رہا ہے) اور اس طرح آخرت کے عذاب سے قتل و بلاء کے ذریعہ جزا و سزا بھی ہو جائے گی اور نجات بھی ہو جائے گی۔

اللہ رب العزت کی حکمت کو مخلوق میں سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ مسلمانوں پر قتل و غارت اور نئے نئے انداز کے فتنوں اور بلاؤں سے ہم حیران و پریشان ہو جاتے ہیں، مختلف قسم کے تبصرے اور مشورے دینے لگتے ہیں، ہماری نگاہیں ظاہر بینی کی وجہ سے جو رب العباد اپنے بندوں پر دنیاوی آلائشوں اور گندگیوں کو اسی دنیا میں صاف شفاف کر کے پاک آخرت میں پاکی کے ساتھ لے جانا چاہتا ہے، ہماری نگاہ اس پر نہیں جاتی جب کہ یہ عین رحمت و حکمت ہے کہ یہاں کی نجاست و غلاظت کو مجازات کے قانونِ نظامِ قدرت کے تحت پاک و صاف کر دیا جائے اور یہ سب عذاب بالنار سے محفوظ رکھنے کی رحیمانہ و کریمانہ ربانی تدبیر ہے، اسی کو حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشاد میں فرمایا ہے کہ:

میری امت تقدیری طور پر مغفور ہی پیدا کی گئی ہے کہ قابل رحم ہے یعنی اللہ رب

العزت نے اس امت کو رحمت ونعمت کے ظہور کے لیے پیدا کیا ہے۔اس امت کے ساتھ فضل کا معاملہ کیا جائے گا۔قرآن مجید نے ہی شہادت دی ہے:

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللهِ فَضْلاً كَبِيراً۔ (الاحزاب)

مومنوں کو بشارت سنا دیجیے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا فضل ملے گا۔

اسی معنی کی ایک اور حدیث بھی آئی ہے جس سے مذکورہ حدیث کی تائید وتوثیق ہوتی ہے۔

أُمَّتِي أُمَّةٌ مَرْحُومَةٌ مَغْفُورٌ لَهَا مَتَاب عَلَيْهَا۔ (حاکم فی الکنیٰ عن انس، فیض القدیر درقم ۱۶۲۱/)

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت رحم کی ہوئی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحم کی ہوئی ہے اور حق تعالی کی جانب سے) بخشی بخشائی ہوئی ہے۔اللہ کی طرف رجوع ہوگی، (یعنی جب کبھی نافرمانی یا قصور ہوجائے گا فوراً اللہ کی جانب انابت و رجوع کرے گی، گناہ ومعصیت پر جمے گی نہیں، اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان میں انابت و توبہ کی شان پیدا کردے گا۔اور حق تعالیٰ کی ذات ہی معصیت وگناہ پر جمنے نہیں دے گی اور ان کو دین وایمان پر جمع کردے گا۔

الغرض! گناہ ومعصیت پر نہ جمنا، انابت ورجوع الی اللہ کا اختیار کرنا، توبہ واستغفار کی راہِ حق تعالیٰ سے ربط وتعلق استوار کر کے قرب کی کیفیت ومنزل طے کر لینا یہ سب مناقب وفضائل اللہ رب العزت نے پہلے سے ہی امت کے حق میں فیصلہ کیا ہوا ہے اور تقدیر میں ثبت ولکھا ہوا ہے۔

زبور کی خبر، فضائل امتِ خیر

حضرت وہب فرماتے ہیں کہ زبور میں ہے کہ اے داؤد علیہ السلام آپ کے بعد

ایک نبی آنے والے ہیں۔ نام ان کا احمد اور محمد، سید، صادق ہوگا، میں ان پر ناراض نہیں ہوں گا اور نہ ہی وہ مجھے ناراض کریں گے اور ان کی امت میری جانب سے بخشی بخشائی ہوگی، اور میں اس امت کو نوافل دوں گا، جس طرح انبیاء کو دوں گا۔ (یعنی تقربِ الٰہی اور نسبت مع اللہ کے حصول کا ذریعہ وراستہ سہل وآسان کر کے کھول دوں گا، جس طرح مقربین بارگاہِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطا کرتا ہوں اور اس امت پر کچھ فرائض کی ذمہ داری بھی ڈالوں گا جو انبیاء پر ڈالا ہے، یہاں تک کہ وہ امت بروز قیامت جب بارگاہِ قدس میں آئے گی تو ان کا نور انبیاء کے نور کے مانند ہوگا۔ (فیض القدیر، المناویؒ)

علامہ زرکشیؒ حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ: ہمارے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مجمع اخلاق وکمالات اور معجزات تھی، وہ متفرق طور پر اللہ تعالیٰ نے امت کو عطا کیا، کیوں کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات معصوم محض تھی، اس لیے امت کو مرحوم ومغفور بنایا گیا، اور متاب ہونے کا تحفہ عطا کیا گیا۔ اس لیے امت پر نعمت ربانی کو مکمل کیا گیا اور امت کو شہداء علی الامم بنایا گیا۔ خیرِ امت کا خطاب دیا گیا۔ آخری امت ہونے کے باوجود السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ہونا طے کیا گیا۔ اس امت کو جو فضائل دیئے گئے اسی سے برابری کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا، یہ محض فضل الٰہی ہے۔

عَنْ وَهْبٍ فِي الزَّبُورِ يَا دَاوُدَ سَيَأْتِي بَعْدَكَ نَبِيٌّ اسْمُهُ أَحْمَدُ وَ مُحَمَّدٌ سيد صَادِق وَلَا أَغْضَبُ عَلَيْهِ وَلَا يُغْضِبُنِي وَ أُمَّتُهُ مَرْحُومَةٌ اَعْطَيْتُهُمْ مِنَ النَّوَافِلِ مِثْلَ مَا اَعْطَيْتُ الْاَنْبِيَاءَ وَ افْتَرَضْتُ عَلَيْهِمُ الْفَرَائِضَ الَّتِيْ افْتَرَضْتُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ حَتّٰى يَأْتُوْنِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَنُوْرُهُمْ كَالْأَنْبِيَاءِ (فیض القدیر، رقم ۱۶۲۱، نیز مسند ابوداؤد طیالسی واحمد اور ابویعلی میں ہے۔) كَادَتْ هٰذِهِ الْأُمَّةُ اَنْ تَكُوْنَ اَنْبِيَاءَ كُلَّهَا

یعنی یہ امت مجموعی اعتبار سے بہ لحاظ کمالات انبیاء ہونے کے قریب ہے۔

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس مضمون میں بحوالہ تورات و انجیل کعب احبار سے نقل کیا ہے۔

کنز العمال میں اسی کے ہم معنی روایت آں حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی مروی ہے۔

جامع ترمذی میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ اگر نبوت باقی ہوتی تو ان کو منصبِ نبوت پر فائز کیا جاتا۔

مبشرات، الہام، تحدیث مع الملائکہ، نظم ونسقِ امت، بدعت اور تحریف فی الدین کی اصلاح، حتی کہ خلافت حقہ کا صحیح قیام، یہ سب امت کے مناصب وکمالات میں داخل ہیں۔

کتاب اللہ کی حفاظت، دین کی تکمیل، ایک ایسی مضبوط جماعت کی بقا جو ہمیشہ جادۂ مستقیم پر قائم رہنے والی ہو اور حسبِ ضرورت ایسے افراد و جماعات کی بعثت جو پوری ذمہ داری کے ساتھ تحریفات کی اصلاح کرتی رہیں، ان سب امور کا خود قدرت ایزدی تکفل فرما چکی ہے۔آپ ہی سوچیے کہ اس کے بعد اب کون سا کمال باقی ہے؟ جو پہلی امتوں میں تھا، اور اس امت میں نہیں ہے اور جس کے لیے نبوت کی ضرورت ہے، بلکہ صحیح بخاری میں ہے کہ سیاسیات کی خدمت پہلے انبیاء علیہم السلام انجام دیا کرتے تھے، اب وہ خدمات اس امت کے خلفاء انجام دیا کریں گے۔پس پہلی امتوں کا ایسا کوئی کمال نہیں ہے، جو امت کو نہ ملا ہو۔

ہاں اس امت کے بہت سے ایسے خصائص ہیں، جن سے پہلی امتیں محروم ہیں۔

(ترجمان السنہ، ج اول، ص ۳۷۷)

حاصل کلام یہ کہ اللہ رب العزت نے تقدیری وتکوینی طور پر خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس طرح تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان اعلیٰ ونمایاں شانِ امتیازی

عطا فرمایا۔ رحمۃ للعالمین کی امت کو بھی تمام امتوں کے درمیان بفیضِ ختم نبوت نمایاں رتبہ اور اعلیٰ مقام عطا کیا اور بروزِ قیامت وہ نور کی شکل میں عطا کیا جائے گا اور یہ امت اعضائے وضو کے پرنور آثار و مشاہدہ کے خصوصی امتیاز سے جانی پہچانی جائے گی۔

رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

بندہ ثمین اشرف تو اپنے اکابر کے لکیر کا فقیر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بصد عجز و نیاز دعا ہے کہ محض ربّ کریم اپنے فضل عمیم سے اپنی آغوشِ رحمتِ عام و تام میں داخل فرما کر زمرہ اولیائے صالحین اور صادقین وصدیقین کے ساتھ حشر میں اٹھائے۔ **آمین یا سمیع الدعا یاقریب، یا مجیب بجاہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ**

العبد

محمد ثمین اشرف قاسمی

مقیم حال دبئ

۱۷؍رجب المرجب ۱۴۴۵ھ،

۳۰؍جنوری ۲۰۲۴ء، یوم الثلاثاء

تمہیدی بات

پیش نظر رسالہ تین مضامین یا کتابچوں کا مجموعہ ہے۔ جن کا اساسی موضوع یہ ہے کہ اس دنیا میں آنے والی مصیبتیں اور بلائیں مسلمانوں کے حق میں خیر ہیں شر نہیں، اس لئے ان سے پریشان اور دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ ان کے لئے اخروی زندگی کا سرمایہ ہیں۔ عام طور پر مصائب کو گناہوں کی سزا قرار دیا جاتا ہے اور اس طرح یہ امت جو پریشانی کے عالم میں ہے (اور مصائب کے تسلسل کی وجہ سے اس کے بعض کم علم افراد شک وشبہ میں گرفتار ہو جاتے ہیں)، مزید یاس وقنوط کا شکار ہو جاتی ہے۔ جب کہ خود قرآن پاک میں جابجا ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اہل ایمان پر مصیبتیں آتی رہی ہیں، اور ان کی آزمائش ہر دور میں ہوئی ہے، حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سے کوئی دور ایسا نہیں ہے جب اہل ایمان کی آزمائش نہ ہوئی ہو، یہ الگ بات ہے کہ اس دوران ان پر خوش حالی کے دن بھی آتے رہے ہیں۔ اگر ہر مصیبت گناہ کا نتیجہ ہوتی تو اموی وعباسی حکمرانوں اور اس دور کے معاشرہ کو جو عیاشی میں مبتلا تھا اس میں کچھ نہ کچھ مبتلا ضرور کیا جاتا، اور جنگ عمواس کے موقع پر طاعون سے بچیس ہزار صحابہ کرام کی موت نہ ہوتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مصیبت وآفت ہی کا ذریعہ اور نتیجہ نہیں بلکہ خیر کے لئے بھی ہوتی ہے۔

دوسری طرف ہمارے مسلم معاشرہ میں یہ عام بیماری رائج ہے کہ کسی پر کوئی مصیبت آتی ہے تو فوراً کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کے گناہوں کی سزا ہے اور دنیا ہی میں اس کو اس کی سزا مل گئی، حالاں کہ ضروری نہیں ہر مصیبت سزا ہی ہو، اور اگر سزا ہو بھی تو دنیا ہی میں سزا مل جانا بہتر ہے بہ نسبت آخرت کے جہاں معمولی سزبھی سخت ہوگی۔ اسی کے مقابلہ میں

جب اپنے لوگوں پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اسے آزمائش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کوئی پوچھنے والا اس پر پوچھ سکتا ہے کہ پھر صالحین کے یہاں مصیبتیں کیوں اور بہت سے برے لوگ آرام وعیش سے کیوں ہیں۔؟ کیا آں جناب کو یہ الہام ہوا ہے؟۔ لہٰذا ایسے عاجلانہ فیصلوں سے بچنا چاہئے۔ اور خود بھی عبرت حاصل کرنا چاہئے اور دوسروں کو بھی اللہ کی طرف رجوع کی تاکید کرنی چاہئے لیکن اس کے ساتھ امید ورجائیت کا پہلو غالب رہے، نہ یہ کہ امت کو یاس ناامیدی میں مبتلا کر دیا جائے۔ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے اپنے مضمون میں جو پیش نظر کتاب میں شامل ہے اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔

حضرت مولانا مفتی ثمین اشرف قاسمی مدظلہ بھی انہیں بزرگوں میں ہیں جو اپنے اتقا اور تعلق مع اللہ کے ساتھ اہل ایمان کے لئے اللہ کی رحمت کو عام تصور کرتے ہیں، اور آخرت کے سلسلہ میں قنوطیت کے بجائے رجائیت کو ترجیح دیتے ہیں۔ مولانا مدظلہ سے اس موضوع پر متعدد بار بات ہوئی اور وہ ہمیشہ امت مسلمہ کے لئے پرامید نظر آئے۔

راقم نے ایک بار ان سے اس موضوع پر بات کرتے ہوئے ذکر کیا کہ دو بزرگوں حضرت مونگیری اور حضرت گیلانی نے بھی اس موضوع پر لکھا ہے، تو مولانا نے فوراً فرمایا کہ اس کو بھیج دیا جائے، میں بھی کچھ لکھ رہا ہوں، شاید وہ کسی استفسار کا مفصل جواب تحریر فرمارہے تھے جو اس رسالہ کی شکل میں آپ کے سامنے ہے، مولانا مدظلہ نے مطالعہ کے بعد فرمایا کہ ان دونوں مضامین کو میں اپنے رسالے کے ساتھ شائع کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ نے نجات المسلمین کے نام سے یہ رسالہ بہت پہلے تحریر فرمایا تھا، غالباً ۱۹۲۰/ ۱۳۴۲ھ کے قریب یا اس سے کچھ پہلے یا بعد میں، کیوں کہ ۱۹۲۷/ ۱۳۴۶ھ میں حضرت والا کی وفات ہوگئی تھی، اس کے بعد یہ رسالہ ان کی وفات کے بعد ان کے جامعہ رحمانی سے شائع ہونے والے ماہنامہ الجامعہ مونگیر میں چار

قسطوں میں اس وقت کے مدیر مولانا سید محمد ندوی (۱۴۰۴ھ) کے اہتمام سے شائع ہوا تھا، انہوں نے تمہید میں لکھا تھا ''حضرت اقدس کی یہ وہی مفید ترین غیر مطبوعہ تصنیف ہے جو حضرت نے فرمایا کہ من قال لا الہ الا اللہ فدخل الجنۃ حدیث کی تشریح وتفسیر میں لکھی تھی، بے حد تلاش وجستجو کے بعد ملی، ہم مسرت کے ساتھ الجامعہ میں شائع کرتے ہیں''۔ یہ رسالہ الجامعہ کے رمضان تا ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ (۱۹۳۰) کے شماروں میں چار قسطوں میں شائع ہوا تھا۔

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی کا مضمون جو ماہنامہ برہان دہلی کے جنوری ۱۹۴۹ء (۱۳۶۹ھ) میں شائع ہوا تھا بحیثیت استفسار تھا۔ مولانا نے اپنے بہت سے افکار کو حتمی رائے کے بجائے اہل علم کی خدمت میں اسی طرح استفسار کے انداز میں پیش کیا ہے، حضرت مولانا گیلانی نے مولانا سید محمد علی مونگیری کی خدمت میں ایک سال کا عرصہ گذارا تھا اور ان کے علم وعرفان سے مستفید ہوئے تھے، اسی لئے ان دونوں بزرگوں کی بہت سی آراء ایک دوسرے سے ملتی جلتی نظر آتی ہیں، ان میں یہ رائے اور خطبہ جمعہ کے اردو میں دئے جانے کی رائے اہم ہے، ممکن ہے ان دونوں آراء میں وہ حضرت مونگیری کی فکر سے متاثر ہوں۔

بہرحال تین رسائل کا یہ مجموعہ اہل علم کی خدمت میں حاضر ہے، مفتی صاحب مدظلہ کی شکرگذاری اور ذرہ نوازی کی ممنونیت کے ساتھ اہل علم سے اس موضوع پر توجہ کی درخواست ہے اور اللہ تعالی سے قبولیت کی دعا۔

والسلام

طلحہ نعمت ندوی

شریف کالونی پٹنہ

۲۵ ذی الحجہ ۱۴۴۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمانوں پر بلائیں کیوں آتی ہیں؟
مومنوں کا امتحان کیوں ہوتا ہے؟

مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی
امام مسجد مصلیٰ الحبتور

مسلمانوں پر بلائیں کیوں آتی ہیں؟

(مومنوں کا امتحان کیوں ہوتا ہے؟)

تمہید:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ إِلٰی یَوْمِ الدِّینِ، أَمَّا بَعْدُ.

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا: أَیُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً؟ قَالَ: الْأَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ. (اخرجه الترمذی برقم: ۲۳۹۸)

شدید تر بلائیں کس پر آئیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ”انبیاء علیہم السلام پر۔ پھر جو ان نفوس قدسیہ سے جتنا قریب تر ہوتا رہا، ان پر مراتب قرب کے بقدر بلائیں آتی رہیں۔

مثل مشہور ہے: نزدیکاں رابیش بود حیرانی۔ یعنی جو جتنا ذات عالی کے قریب ہوگا، اس پر اس قرب کے بقدر حیرانی و پریشانی ہوگی۔ آوارہ کتا پوری رات سوتا ہے، جب کہ چوکیداری کرنے والا کتا پوری رات چوکنا اور بیدار رہتا ہے۔ غافل ساری رات سوتا ہے اور عابد ساری رات روتا ہے۔ رونا دلیل قرب ہے، اور جاگنا دلیل بعد نہیں۔ رونے کی لذت وحلاوت کی چاشنی اس غافل کو کیا ہوگی جس کی غفلت اسے ہلاکت وتباہی کی وادی میں لیے جا رہی ہو۔ ایک رو رو کر قرب کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ جتنا قریب ہوتا ہے اتنی حیرانی بڑھتی ہے۔ اعتراف تقصیر کی عقدہ کشائی ہوتی ہے۔ ماضی پر ندامت واستغفار کرتا ہے۔ ہر منزل

قرب پر مزید لذت قرب کا داعیہ بے چین کر دیتا ہے۔ اس بے چینی میں جو سرور وطمانیت، راحت وحلاوت ہے وہ ہفت اقلیم سے بالاتر ہے۔ اس شخص کی بے چینی ظاہری چین وسکون یافتہ شخص سے لاکھوں درجہ بلند ہے۔ قرب حق کی بے چینی ہی درحقیقت مطلوب حق ہے۔ اور بعد حق یعنی حق سے دور رہ کر جو چین سے رہ رہا ہے، وہ بدنصیب، بدبخت اور بدانجام ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد ہم آپ کے قابل تحسین سوال کے جواب کی طرف لوٹتے ہیں۔ حق جل مجدہ حُسن جواب کی توفیق بخشے۔ آمین۔

(۱) صاحب ایمان کو جو کچھ بھی تکلیف واذیت، آلام ومحن کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کی حیثیت کفار کی اذیت سے بالکل ہی مختلف ہے۔ بسا اوقات ابرار کو اس دنیا میں جو مشکلات پیش آتی ہیں، وہ فساق وفجار کو پیش نہیں آتیں۔ اور ہم دن رات اس کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں۔ اس کی وجہ اسلاف واکابر نے کتاب وسنت کی روشنی میں واضح کی ہے۔

صبر پر انعام ملنا یقینی ہے اور غیروں کو محرومی ہے

صاحب ایمان کو جو کچھ بھی اس دنیا میں برداشت کرنا پڑ رہا ہے، اس پر رضائے الٰہی کا ترتب ہوتا ہے، اور یہ من جانب اللہ احتساب کی بنا پر ہے؛ کیوں کہ صاحب ایمان کی طبیعت کے خلاف جو واقعہ پیش آئے گا وہ (صاحب ایمان) اس پر صبر واستقامت کے ساتھ حق جل مجدہ سے نصرت ومدد کا طالب ہوگا۔ اور رجوع الی اللہ بذات خود ایمان والوں سے مطلوب ہے۔ نیز صبر واحتساب سے صاحب ایمان کے قلوب کا ہم وغم اور تکلیف والم بالکل ہی ختم ہو جاتا ہے؟ کیوں کہ صبر پر من جانب اللہ رضا اور انعام باری کا ملنا یقینی ہے۔ اور بندہ رضائے حق کی خاطر اپنے رب کی طرف متوجہ ہے، اور حق جل مجدہ چاہتے ہی یہی ہیں کہ میرا بندہ میری طرف متوجہ رہے۔ اور کفار وفساق کے لیے نہ تو رضائے الٰہی ہے نہ ہی

احتساب، اس لیے اگر کفار و فجار مصیبت پر صبر بھی کر لیں، تو ان کے صبر کی مثال ایسی ہے جیسے بہائم کا صبر کر لینا کہ سوائے محرومی کے کچھ نہیں ہاتھ آتا۔ اس لیے مومنوں کو امتحاناً واحتساباً آلام و مصائب میں ڈالا جاتا ہے؛ تاکہ صبر و تحمل کی بدولت رضوان الٰہی میسر آجائے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ (النساء: ۱۰۴)

ترجمہ: ''اور ہمت مت ہارو اس مخالف قوم کے تعاقب کرنے میں۔ اگر تم الم رسیدہ ہو، تو وہ بھی تو الم رسیدہ ہیں جیسے تم الم رسیدہ ہو۔ اور تم اللہ تعالیٰ سے ایسی چیزوں کی امید رکھتے ہو کہ وہ لوگ امید نہیں رکھتے۔

اس آیت میں حق جل مجدہ نے صاف اور واضح انداز میں بتلا دیا کہ مومنین اور کفار دونوں ہی الم و تکلیف میں شریک ہیں؟ مگر مؤمن کو حق جل مجدہ نے امتیازی شان عطا کی ہے اجر و ثواب اور رضوان و غفران کی امید پر اور بالآخر حضور حق میں قیامت کے دن کامیابی و کامرانی مؤمنین کو ہوگی؟ کیوں کہ کلمہ والا حق جل مجدہ کی رضا کا طلب گار تھا، جب کہ کفار و فجار، مشرکین و معاندین کے لیے نہ تو اجر و ثواب ہے، نہ وہ حق تعالیٰ سے رضائے الٰہی کے امیدوار ہو سکتے ہیں، حالاں کہ الم و تکلیف ان کو بھی پہنچ چکی ہے۔

صبر سے ایمان وایقان میں اضافہ اور ابدی راحت کا راز

(۲) مومنین کو حسب ایمان وایقان اور اطاعت واخلاص من جانب اللہ اذیت پہنچائی جاتی ہے؛ تاکہ قلب میں ایمان وایقان کی حقیقت جاگزیں و پیوست ہو جائے، اور ان کا ایمان عقلی سے ذوقی اور ذوقی سے شہودی بن جائے۔ شرح صدر کی ایسی کیفیت ہو

جائے کہ شہود و شعور کی محویت میں ہر بلا والم، قضا و قدر کی راہ تسلیم و رضا کے مقام حظیرۃ القدس کا آئینہ دار ہو۔ جسمانی آلام، روحانی ترقی اور ظاہری تکدر، باطنی تکشف کی راہ سے سیر الی اللہ کا پیش خیمہ ہو، اور یہ مرد مومن صبر و محن کے ذریعے مقصود و مراد حق کو پالے؛ کیوں کہ اگر یہی بوجھ غیر مومن پر ڈال دیا جائے، تو وہ اس کے تحمل کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا؟ کیوں کہ وہ مایہ ایمان سے خالی ہے۔ اور در حقیقت حق جل مجد کا مومن پر انعام واحسان ہے کہ دنیا میں چنداں تکالیف واذیت کو ڈال کر آخرت کی سنگین وخطیر بلاؤں کو ٹال رہا ہے، جن کے تحمل کی مومن میں صلاحیت ہی نہیں۔

حاصل کلام یہ نکلا کہ مومن کو دنیاوی آلام میں ڈال کر اخروی عذاب سے چھٹکارا دلایا جاتا ہے، اور کفار و فجار کی تو یہ جنت ہے، پھر رنج والم کیا معنی؟ واللہ اعلم۔

محبوب کی آزمائش کا راز

(۳) جب بھی کسی کی محبت کسی کے دل میں راسخ و پیوست ہو جاتی ہے، تو محب تمام آلام و تکالیف کو محبوب کی خوشی و رضا کے عنوان پر بطیب خاطر برداشت کر لیتا ہے؛ بلکہ سب کو جائز و مناسب ہی سمجھتا ہے، نہ کہ گلہ وشکایت۔ یہ تو دنیاوی محب و محبوب کا معاملہ ہے۔ پھر محبوب حقیقی تو وراء الورا ہے، جس نے اپنے حبیب کو ابتلا میں ڈال رکھا ہے؛ تاکہ نظر محبت سے دیکھے اور انعامات واحسانات کی بارش برسائے۔ نیز یہ سب کچھ اس لیے کرتا ہے کہ جس قدر محب کو تکلیف واذیت ہوگی، محبوب اسی کے بقدر راضی ہوگا اور مزید سے مزید تر عنایت سے نوازے گا۔ بخلاف کفار و فجار کے، کہ وہاں یہ سب کچھ مفقود و ناپید ہے۔ اگر نعمت ہے، تو شدت عذاب کے لیے، اور اگر الم ہے، تو غضب الٰہی کا ظہور۔ العیاذ باللہ۔

یقین میں اضافہ اور قرب میں ترقی مطلوب ہے

(۴) کفار و مشرکین، فساق و منافقین کو جو دنیاوی عزت وحشمت، جاہ منصب حاصل ہے اس کی بنسبت مسلمانوں کو ایک چوتھائی بھی حاصل نہیں، پھر بھی وہ اہل ایمان سے اچھے نہیں ہو سکتے؛ کیوں کہ عنداللہ جس سرمایے کی قیمت لگے گی اور عنداللہ جو قابل تحسین شے ہے، وہ ہے مایۂ ایمان۔ اور حق جل مجدہ کا دیدۂ باطن میں موجود ہونا۔ قلب کا عمیق گہرائی و گیرائی میں حق جل مجدہ کے خوف وخشیت سے مملو و بھرا ہوا ہونا۔ یہ صفات مردِ مومن حق کو ذات حق سے قریب کر رہی ہیں، اور یہ آیا بھی اسی لیے ہے کہ دنیاوی زندگی میں معرفت حق کے حصول کے لیے اپنی قوت وتوانائی کو بروئے کار لائے، نہ کہ جاہ وحشم کے پیچھے زندگی کو تباہ و برباد کرے۔ اس حقیقت کے منکشف ہو جانے کے بعد صاحب ایمان اعلی و بالا ہے، اور کافر و فاجر تمام جاہ و باہ اور مال ومنال کے باوجود ذلیل وخوار ہے اگر چہ اسے بظاہر عزت ومنصب ہی کیوں نہ حاصل ہو جائے۔ حق تعالی کا ارشاد ہے: ﴿فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ﴾ (المؤمن: ۴).

ترجمہ: ”سو ان لوگوں کا شہروں میں امن وامان سے چلنا پھرنا آپ کو اشتباہ میں نہ ڈالے۔“

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”اگر چہ کفار و منافقین گھوڑوں کی سواری کریں اور مال کی کثرت کا یہ عالم ہو کہ گدھوں پر لد کر چلتے ہوں، تو بھی وہ عنداللہ مقبول ومحبوب نہیں ہیں؟ کیوں کہ حق جل مجدہ نے ان لوگوں کو ذلیل وخوار کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ واللہ اعلم۔

مصائب زینہ ہیں منازل قرب کے

(۵) مومنوں کو جو بھی بلا آتی ہے، اس کی مثال دوا کی سی ہے، جو مرض کو نکال پھینکتی

ہے کہ اگر یہ مرض باقی رہ جاتا، تو موجب ہلاکت و بربادی بن جاتا، یا اس کے اجر وثواب کو کم کردیتا، یا درجات ایمانی میں نقص پیدا کردیتا۔

اب ان آلام وتکالیف کے ذریعے مومن کے جملہ امراض روحانی کو جسم سے خارج کر کے اجر وثواب میں اضافہ، قوت ایمانی میں رسوخ اور منازل و درجات الی اللہ کو بلند و بالا کر دیا گیا۔ اور اس میں مومن کے لیے خیر ہی خیر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مومن کا ہر معاملہ تعجب خیز ہے! اس کے ہر معاملے میں خیر ہی خیر ہے۔ اور یہ مخصوص ہے مومن کے لیے۔ اگر اسے کوئی راحت ومسرت ملتی ہے، تو شکر کرتا ہے، جس میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ اور اگر اسے رنج والم پہنچتا ہے، تو صبر کرتا ہے، یہ بھی اس کے لیے بھلائی وخیر ہی کی بات ہے''۔

(أخرجه مسلم فی صحیحه برقم: ۲۹۹۹)۔

معلوم ہوا کہ یہ ابتلا وامتحان اللہ کی طرف سے تو مومن کی نصرت و مدد اور عزت و عافیت کے لیے تھا، اور آپ گھبراتے ہیں!!

مصائب قابل مبارک باد ہیں

پیچھے یہ حدیث گزر چکی ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے زیادہ بلائیں انبیاء پر آئیں، پھر جو ان سے اتباع میں جتنا قریب ہوتا ہے، اس پر حسب قرب واتباع، پھر جو اس سے جتنی قربت رکھتا ہو، اس پر اسی کے بقدر بلائیں آتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جو انبیا علیہم السلام کی اتباع میں جتنا قریب ترین ہوگا، اس پر اس کی قربت کے اعتبار سے آلام ومصاب آئیں گے۔ اس لیے اے ایمان والو! آپ کو مصائب پر صبر مبارک ہو!

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر مرد مومن پر اس کے دین کے اعتبار سے بلا آتی ہے۔ اگر دین میں پختگی وصلابت ہے، تو بلا بھی شدید آئے گی، اور اگر دین خفیف وضعیف ہے، تو بلا بھی ہلکی پھلکی آئے گی۔ اس میں بھی بڑی حکمت پوشیدہ ہے کہ اگر دین میں ضعف ہے اور بلا شدید ہے، تو قوت برداشت جواب دے دے گی، اس لیے حق تعالی قوت برداشت بھی دیتے ہیں، اور بلا بھی حسب دین نازل فرماتے ہی ہیں۔ إِنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ،عَفُوٌّ غَفُور

مصائب سے معیت انبیاء کا حصول

نیز مومنوں پر بلا آتی ہی رہے گی جب تک وہ زمین پر موجود ہیں، اور موجود رہیں گے۔ بلا کا تعلق کسی خطا و گناہ سے بھی ضروری نہیں؛ کیوں کہ مقربین وصالحین پر بھی بلائیں آتی رہی ہیں اور آتی رہیں گی۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ مومنوں کو دنیا میں اللہ تعالی اعلی علیین میں انبیا کی معیت عطا کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے اے ایمان والو! صبر سے کام لو! اللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى.

مصائب سے ایمانی نشو ونما کی تکمیل

(۶) حق تعالی نے مومنوں کے لیے اس دنیا کو دار الا بتلا بنایا ہے اس لیے کبھی حکمت الٰہی کے تحت حق جل مجدہ غیروں کو اپنے بندوں پر غلبہ وحکومت عطا فرماتے ہیں، اور غیروں سے کبھی کبھی پٹواتے ہیں، اذیت دلواتے ہیں اور اس سے مومنوں کو چھٹکارا نہیں مل سکتا۔ جس طرح اس دنیا میں رہتے ہوئے مختلف موسموں کا سامنا ہر فرد بشر کو کرنا ہے۔ جیسے سخت سردی وگرمی، کبھی رنج والم کبھی ہم وغم کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟ تاکہ نشاۃ انسانیت کی تکمیل ہو سکے، حتی کہ بچوں اور چوپایوں کے لیے بھی ان موسموں سے دوچار ہونا ضروری ہے، ورنہ

ان کی تکمیل طبعی اور نشو ونما ممکن نہیں۔حق جل مجدہ کی حکمت بھی کچھ اسی طرح واقع ہوئی ہے کہ اگر خیر ہی خیر ہو، شر سے دنیا کو خالی کر دیا جائے، نفع ہی نفع ہو اور ضرر کو اٹھا لیا جائے، لذت ہی لذت ہو اور الم سے بے نیاز کر دیا جائے، تو پھر اس کا نام عالم آخرت ہوگا نہ کہ عالم ابتلا اور عالم دنیا۔ نیز یہ حکمت بھی پوشیدہ ہے کہ خیر وشر، راحت والم اور نفع وضرر کے سنگم و امتزاج سے جو حکمتیں وجود میں آتی ہیں، وہ یکسر فوت ہو جائیں گی۔

مثلاً: ایک شخص گناہ ومعصیت کا ارتکاب کرتا ہے، پھر ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار کرتا ہے، ایسا شخص شعوری طور پر گناہ کی نحوست وظلمت بھی محسوس کر چکا ہے اور توبہ واستغفار کے بعد یقین و وجدان کی صفائی وستھرائی بھی محسوس کر رہا ہے تاہم توبہ واستغفار کے وقت وہ حق جل مجدہ کے ساتھ جو لذتِ مناجات محسوس کر رہا تھا، توبہ واستغفار کے بعد دوسری کیفیت میں ہوگا۔ اور عین توبہ کے وقت جو کیفیت ہوتی ہے وہ ایک خاص حالت ہے، جس کی ترجمانی لفظوں میں ممکن بھی نہیں؛ کیوں کہ اس کا تعلق وجدان وذوقیات سے ہے، جو اسی وقت خاص میں تھا۔

دنیا وآخرت اور طیب وخبیث کا فرق

نیز ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس دنیا میں (جو کہ دار الابتلا ہے) خیر کو شر سے، راحت کو الم سے نفع کو ضرر سے بالکل ہی الگ کرنا ممکن بھی نہیں؟ اس لیے کہ دنیا اس خلاصی کا محل نہیں، نہ دنیا میں اس کی استعداد وصلاحیت ہے کہ الگ ہو سکے۔ اسی حقیقت کو درحقیقت منکشف کرنے کے لیے حق جل مجدہ عالم حقیقت کا قیام وجود میں لائے گا، جہاں خیر کو شر سے، راحت کو الم سے، نفع کو ضرر سے علیحدہ علیحدہ کر دیا جائے گا۔

حاصل یہ نکلا کہ درحقیقت اسی نجات وخلاصی کے لیے (یعنی خیر کو شر سے، راحت کو

الم سے، نفع کوضرر سے یکسر جدا کرنے کے لیے)ہی عالم آخرت کا قیام وجود میں آئے گا۔حق تعالیٰ کاارشاد ہے:

لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَ يَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ أُولٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ﴿ (الانفال: ۳۷)

ترجمہ: ’’تا کہ اللہ ناپاک لوگوں کو پاک لوگوں سے الگ کردے اوران سے الگ کر کے ناپاکوں کوایک دوسرے سے ملادے۔یعنی ان سب کومتصل کردے، پھران سب کو جہنم میں ڈال دے۔ایسے ہی لوگ پورے خسارے میں ہیں‘‘۔

معلوم ہوا کہ عالم آخرت کا قیام خبیث کوطیب سے جدا کرنے کے لیے ہوگا، کیوں کہ یہاں آپس میں مخلوط تھے اور غلبہ بھی بسا اوقات خبیث کو ہوتا تھا، مگراصل غلبہ کا دن وہ ہوگا جس دن تمام مخلوق ہمہ تن رب العالمین کے رحم وکرم کے انتظار میں کھڑی ہوگی۔

مصائب، دوائے دیدحق

میرے کلمے والے بھائیو! جب یہ بات معلوم ہوگئی، تونتیجہ یہ نکلا کہ دنیا خبیث لوگوں کی ٹھہری، اس لیے ابرار ومتقین دنیا میں تو تکلیف وآلام میں ہیں؟ مگرکل یوم الخلاص آرام میں ہوں گے اور خبیث آلام میں۔آپ تو ہر تکلیف واذیت کو یہ جان کر خوشی خوشی گوارہ کرلیں کہ یہ دوائے دیدحق ہے۔یا یوں تصور کرلیں کہ رضائے حق کی راہ چلنے والوں کو اس وادی سے بھی گزرنا، ناگزیر ہے۔یا یہ خیال کرلیں کہ دیدحق کی استعداد پیدا کرنے کی خمیرہ آبریشم ہے۔آخرحق جل مجدہ کا دیدار کرنا ہے۔

اللّٰهُمَّ أَقْطَعْ عَنِّي حَاجَاتِ الدُّنْيَا بِالشَّوْقِ إِلَى لِقَائِكَ، وَإِذَا أَقْرَرْتَ أَعْيُنَ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ دُنْيَاهُمْ فَأَقْرِرْ عَيْنِي مِنْ عِبَادَتِكَ.

مصائب کے ذریعے اہل ایمان کی آزمائش

(۷) حق جل مجدہ اپنے اعداء کو غلبہ عطا کر کے مومنوں کو ابتلا میں ڈالتا ہے۔ کبھی مومنوں پر ظلم وستم ہوتا ہے۔ کبھی ان کی توہین کی جاتی ہے۔ کبھی شعائر حق کی تدمیر سے مومنین کی تذلیل وتحقیر کی جاتی ہے۔ مومن کبیدہ خاطر ہو کر محو حیرت ہے۔ دشمن خوش ہو کر محو مسرت ہے۔ یہ حیران و پریشان ہے۔ وہ شاداں وفرحان ہے، حالاں کہ یہ صاحب ایمان وایقان ہے، وہ صاحب کفر وطغیان ہے۔ اس پر رحمت رحمن ہے، اس پر (بسبب طغیان وعصیان) رب غضبان ہے۔ اس میں نہ معلوم کتنی حکمتیں پوشیدہ ہیں، جن کو تفصیلا تو حق جل مجدہ کی ذات ہی جانتی ہے؟ مگر ان حکمتوں میں چند یہ بھی ہوسکتی ہیں۔

منصور ومغلوب ہونے میں حکمت الٰہی

(الف) مومنوں کو عبدیت کی طرف مائل کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی ذلت کا اقرار کرنا۔ قادر مطلق علی الاطلاق سے اپنے اعداء پر نصرت و مدد طلب کرنا۔ یہ بھی ایک اصول وحکمت پر مبنی ہے کہ اگر مومنوں کو نصرت دائمی اور غلبہ وحکومت استمراری حاصل ہو جائے، تو کبر وسرکشی میں مبتلا ہو جائیں، جو مبغوض ہے (جیسا کہ سلاطین وملوک سابقین میں مشاہدہ کیا گیا) جو سبب بنا زوال کا۔ اس کے برعکس اگر ہمیشہ مغلوب ومقہور رہیں اور اعداء کو ان پر مسلط کر دیا جائے، تو اقامت دین کا مشن قائم نہ ہو سکے گا اور نہ ہی کوئی اسلامی سلطنت قائم ہو سکے گی۔ اس اصول کے تحت احکم الحاکمین کی حکمت اسی طرح واقع ہوئی ہے کہ کبھی مومنوں کو منصور و غالب کر دیا جائے تا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کریں۔ شعائر اسلام کی حفاظت کریں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔ مظلوموں کی دادرسی اور

ظالم کا قلع قمع کریں۔ اللہ تعالی کے دشمنوں سے جہاد وقتال کریں۔ اولیاء اللہ کی امداد کریں۔ الغرض ہر صاحب حق کو اس کا حق مل جائے ، اور ہر ذی روح امن وامان، چین وسکون اور آزادی کے ساتھ سانس لے۔ موذی جانور بھی اذیت دینے سے باز رہیں، جیسا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے عہد میں مشاہدہ ہوا، جس کا اعتراف اعداء کو بھی ہے۔ اور جب اعداء ان پر غالب ہوں اور یہ مغلوب ہوں، تو اس وقت اللہ تعالی کے سامنے تضرع کریں۔ حق جل مجدہ کی طرف رجوع وانابت کی شان پیدا کریں۔ اپنے معبود ومسجود کے سامنے جھکیں اور اپنے گناہوں پر توبہ کریں۔

ان ہی حکمتوں کی بنا پر اللہ تعالی کی سنت یہ رہی ہے کہ مومنوں کو آزمائش میں ڈالا جاتا رہا۔

مخلص ومنافق کی پہچان

(ب) ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اگر مومنوں کو ہمیشہ کے لیے غلبہ عطا کر دیا جائے، تو جماعت مومنین میں ایسے لوگ بھی داخل ہو جائیں گے، جن کا مقصد اقامت دین نہ ہو، اور نہ ہی اتباع سنت ان کا مقصد ہو؛ بلکہ محض ان کا مقصود یہ ہو کہ ان لوگوں کے ساتھ معیت حاصل کی جائے جن کو غلبہ وعزت میسر ہے، اور ان کی معیت میں تن پروری اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کی جائے۔

اس کے برعکس اگر مومنوں کو ہمیشہ کے لیے مغلوب کر دیا جائے ، تو مومنوں کا ساتھ ہی کوئی نہ دے، تو حکمت الہیہ اسی طرح واقع ہوئی ہے کہ کبھی مومنوں کو غلبہ دیا جائے تا کہ اقامت دین ہو، اور کبھی مغلوب کر دیا جائے تا کہ شان عبدیت کے ظہور کے لیے ذلت و تنگ دامانی کا اقرار کیا جائے۔

نیز منافقوں سے مومنوں کا امتیاز ہو جایا کرے کہ کن لوگوں کا مقصد اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اور کن لوگوں کا مقصد دنیا کی عزت وجاہ ہے۔

تکمیل عبدیت

(ج) اس میں ایک حکمت یہ بھی مخفی ہے کہ اللہ رب العالمین اپنے بندہ مومن کی عبدیت کو مکمل کرنا چاہتے ہیں بذریعہ راحت والم، تنگی وفراخی، کبھی مغلوب بنا کر کبھی غلبہ دے کر۔ ہر دو حالتوں میں حسب حال اظہار عبدیت مومن پر واجب ہے، کیوں کہ تکمیل عبدیت ایک ہی حالت میں رکھ کر ممکن نہیں، بعینہ اس طرح کہ جسم کی نشو ونما بغیر حرارت و برودت، بغیر کھانا پانی، بغیر تعب ونصب کے ممکن نہیں، اور جو کچھ بھی آلام ومحن آتی ہیں، ان کا مقصد بس کمال انسانیت کا حصول ہی ہوتا ہے۔

گویا عبدیت کا کمال، ملزوم ہے اور آلام ومحن لازم۔ اور ملزوم کا وجود بغیر لازم کے ممتنع ہی ہوا کرتا ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ اگر کمال عبدیت آپ چاہتے ہیں، تو آلام ومحن کے لیے بھی تیار رہیں۔ انھی حکمتوں کی بنا پر مومنوں کو ابتلا میں ڈالا جاتا ہے۔

تطهير سيئات

(و) اللہ رب العالمین مومنوں کا امتحان لیتا ہے اعداء کو غلبہ عطا کر کے، تا کہ مومنوں کو معصیت کے میل کچیل سے صاف ستھرا کر کے ایمان کو خالص ومکمل کر دے، جیسا کہ یوم احد کے موقع پر ہوا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ . إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ

النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظَّٰلِمِينَ. وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَٰفِرِينَ. أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّٰبِرِينَ. وَلَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِن قَبْلِ أَن تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ. وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَٰبِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشَّٰكِرِينَ﴾ [آل عمران: ۱۳۹-۱۴۴].

ترجمہ: ’’اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو، اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے۔ اگر تم کو زخم پہنچ جاوے تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے۔ اور ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہا کرتے ہیں، اور تا کہ اللہ تعالی ایمان والوں کو جان لیویں، اور تم میں سے بعضوں کو شہید بنانا تھا، اور اللہ تعالی ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے۔ اور تا کہ میل کچیل سے صاف کر دے ایمان والوں کو اور مٹا دیوے کافروں کو۔ ہاں کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو گے حالاں کہ ہنوز اللہ تعالی نے ان لوگوں کو دیکھا ہی نہیں جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو اور نہ ان کو دیکھا جو ثابت قدم رہے۔ اور تم تو مرنے کی تمنا کر رہے تھے موت کے سامنے آنے سے پہلے، سو اس کو تو کھلی آنکھوں دیکھ لیا تھا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نرے رسول ہی تو ہیں۔ آپ سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر آپ کا انتقال ہو جائے، یا آپ شہید ہی ہو جائیں، تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے۔ اور جو شخص الٹا پھر بھی جاوے گا، تو اللہ تعالی کا کوئی نقصان نہ کرے گا۔ اور اللہ تعالی جلدی ہی عوض دے گا حق شناس لوگوں کو۔

آیت کے نزول کا سبب

جب غزوہ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہوااور سر مبارک زخمی ہوا، تو اس وقت کسی دشمن نے پکار دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کیے گئے۔ مسلمان لڑائی بگڑ جانے سے بدحواس اور منتشر ہو ہی رہے تھے، اس خبر سے اور بھی کمر ٹوٹ گئی۔ کسی نے یہ تجویز کیا کہ اب کفار سے امن لے لینا چاہیے۔ بعض ہمت ہار کر بیٹھ رہے۔ بعضے بھاگ کھڑے ہوئے۔ بعض منافق بولے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں رہے، تو اپنا پہلا ہی دین کیوں نہ اختیار کرلیا جائے؟ بعض نے کہا کہ اگر نبی ہوتے، تو قتل کیوں ہوتے؟ بعض نے کہا کہ اگر آپ ہی نہ رہے، تو ہم رہ کر کیا کریں گے؟ جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی ہم کو بھی جان دے دینا چاہیے اور اگر آپ قتل ہو گئے تو کیا ہوا اللہ تعالی تو قتل نہیں ہوئے؟ اس پریشانی میں اول حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر پہچانا اور پکار کر کہا کہ اے مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ وصیح سلامت ہیں۔ غرض اسوقت پھر مسلمان مجتمع ہوئے۔ آپ نے ان کو ملامت فرمائی۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ خبر سن کر ہمارے دلوں میں ہول بیٹھ گئی، اس لیے ہمارے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

غالب وہی ہے جس کو اللہ ورسول کی معیت حاصل ہے

(1) ان آیتوں میں حق جل مجدہ نے جو واقعہ بیان کیا ہے، اس میں عجیب عجیب حکمتیں مخفی ہیں؛ اس لیے کہ کافروں کو وقتی غلبہ حاصل ہوا تھا، اور مومنوں کو وقتی ہزیمت اٹھانی پڑی تھی۔ اللہ تبارک وتعالی نے مومنوں کو بشارت دی کہ تم ہی غالب رہو گے؛ اس لیے کہ تم صاحب ایمان ہو۔

زخم محبت وفدایت اور زخم لعنت ونفرت

(۲) حق جل مجدہ نے مومنوں کو تسلی دی کہ اگر تم کو اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں زخم پہنچا ہے، تو کافروں کو بھی اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں زخم پہنچ چکا ہے۔ تمہارا زخم فدائیت ومحبت کا ہے، اور ان کا زخم نحوست ونخوت کا ہے۔ تم زخم کھا کر محبوب بن گئے، وہ زخم کھا کر مبغوض وملعون بن گئے۔ تمھارے لیے غفران ورضوان ہے، ان کے لیے دنیا اور آخرت کا خسران ہے۔ ایمان والو! گھبراؤ نہیں۔ واللہ اعلم۔

سنت الٰہی کا اجرا اور رزق واجل کی تکمیل

(۳) حق جل مجدہ کا مقصد تم کو رنج والم پہنچانا نہیں؛ بلکہ حق تعالی کی سنت وعادت یہ ہے کہ ان ایام کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں؟ تا کہ ہر ایک گروہ اپنے نصیب کا رزق واجل پورا کرلے۔ اس حکمت کی بنا پر حق جل مجدہ نے ایسا کیا ہے۔

منافق کی شناخت کرانا

(۴) حق جل مجدہ نے اس ہزیمت میں ایک اور بھی حکمت رکھی تھی کہ مومنوں کو غیر مومنوں سے جدا کردیا جائے۔ رب تبارک تعالی تو ہر واقعے کو اس کے وقوع سے پہلے ہی جانتا ہے، مگر حکمت یہ ہوتی ہے کہ وہ بندے کے علم میں بھی لانا چاہتا ہے کہ وہ بھی واقعے کی صورت میں مشاہدہ کرلیں مومن وغیر مومن کو۔

تم کو الم جدائیگی پر اجرا اور ان کو مقام شہادت

(۵) حق جل مجدہ نے احباب واقارب کی جدائی کا جو الم تم کو دیا ہے، اسے

مصیبت مت سمجھو؛ بلکہ حق تعالیٰ کا مقصد یہ تھا کہ تم کو الم جدائی پر اجر وثواب ملے اور تم میں سے بعض کو مقام شہادت پر فائز کرے؛ اس لیے کہ مقام شہادت عنداللہ ایک اعلی خلد بریں کا درجہ ہے، جس کا حصول بغیر قتال و جہاد فی سبیل اللہ کے ممکن نہیں۔ اگر کفار کو غلبہ نہ دیا جاتا ،توتم شہید بھی نہیں ہوتے ، حالاں کہ حق تعالیٰ کو مقام شہادت پر بندوں کو فائز کرنا بے حد پسند ہے؛ کیوں کہ یہ مقام انفع للعباد ہے۔

غیروں کے غلبہ سے تمھاری انابت مقصود تھی

(۶) نیز اس سے تمہارا ہی فائدہ مقصود تھا کہ تم کو گناہ کے میل وکچیل سے صاف کردے اور ترقی درجات عطا کیا جائے؛ کیونکہ تم اعداء کے غلبہ کے بعد اپنے گناہوں پر توبہ کروگے۔ اللہ تعالی کی طرف رجوع کروگے۔ استغفار کی کثرت کروگے۔ یہ سب تم نے کیوں کیا؟ اس لیے کہ ہم نے تم پر اعداء کو غلبہ دیا تھا، اور اللہ تعالی کافروں کو مٹانا چاہتا ہے۔ غلبۂ کفر من جانب اللہ مٹنے کی دلیل ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ

کیا تم راستے سے ہٹ کر جنت میں داخل ہونا چاہتے ہو؟

(۷) آخر میں حق جل مجدہ نے ایک گمان کی تردید کردی کہ تم نے جو یہ سوچ رکھا ہے کہ بغیر جہاد فی سبیل اللہ اور صبر علی الآلام کے جنت میں داخل ہوجاؤ گے، یہ خیال خام ہے، ناممکن ہے؛ کیوں کہ ہم نے دخول جنت کا راستہ جہاد اور رنج والم پر صبر میں رکھا ہے۔ اگر تمھارے اعداء کو غلبہ نہ دیتا، توتم نہ جہاد کرتے اور نہ ہی تم کو تکلیف واذیت دیتے کہ تم صبر سے کام لیتے ، پھر دخول جنت کیسے ممکن تھا، لہذا ہم ہمیشہ ہی اپنے اولیاء کو صبر کی تلقین کیا کرتے ہیں؛ تاکہ دخول جنت کے مستحق ہوجائیں۔

ابتلا وامتحان: مزین وملون دنیا کے ذریعے

(۸) اللہ رب العالمین نے زمین وآسمان اور موت وحیات کو پیدا کیا، ساتھ ہی حق تعالیٰ نے زمین کو محض ابتلا وامتحان کی غرض سے جملہ اسباب زینت سے مزین کیا؛ تاکہ حق جل مجدہ لوگوں کو خوب اچھی طرح پرکھ لے کہ کون مزین وملون دنیا کو اختیار کرتا ہے اور کون اللہ تعالی کی رضا وخوشنودی کو اپناتا ہے؟ ارشاد رب العالمین ہے:

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (هود:)

ترجمہ: اور وہ اللہ تعالی ایسا ہے کہ سب آسمان اور زمین کو چھ دن کی مقدار میں پیدا کیا، اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا؛ تاکہ تم کو آزماوے کہ تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے؟"۔

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (الكيف:).

ترجمہ: "ہم نے زمین پر کی چیزوں کو اس کے لیے باعث رونق بنایا؟ تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں کہ کون ہے ان میں اچھا عمل کرنے والا؟"۔

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَوٰةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (الملك:٢)

ترجمہ: جس نے موت وحیات کو پیدا کیا؛ تاکہ تمھاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص اعمال میں زیادہ اچھا ہے؟"۔

وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ (الأنبياء: ٣٥)

ترجمہ: "اور ہم تم کو بری بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں، اور پھر اس

زندگی کے ختم پر تم سب ہمارے پاس چلے آؤ گے“۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ ﴿ [محمد: ۳۱].

ترجمہ: ”اور ہم ضرور تم سب کی آزمائش کریں گے؛ تاکہ ہم ان لوگوں کو معلوم کر لیں جو تم میں جہاد کرنے والے ہیں، اور جو ثابت قدم رہنے والے ہیں، اور تاکہ تمھاری حالتوں کی جانچ کرلیں“۔

الٓمّٓ. أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُّتْرَكُوْا أَنْ يَّقُوْلُوْا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ. وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ (العنکبوت: ۱-۳)

ترجمہ: ”الم (بعضے مسلمان جو کفار کی ایذاؤں سے گھبراتے ہیں، تو کیا) ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جاوے گا؟ اور ہم تو ایسے واقعات سے ان لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے مسلمان ہو گزرے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ظاہری علم سے جان کر رہے گا جو ایمان کے دعوے میں سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا“۔

ان تمام آیات بینات میں حضرت حق جل مجدہ نے تخلیق ارض وسماء اور موت و حیات کا مقصد بتلایا کہ ابن آدم کی عملی قوتوں کی آزمائش کی جائے گی کہ وہ اس میں پورے اترتے ہیں یا نہیں؟

نیز حق جل مجدہ جب انبیاء ورسل کو لوگوں کی طرف مبعوث کرتے ہیں، تو اس سے دو امر کی تنقیح مطلوب ہوتی ہے: ایک تو یہ کہ کون لوگ ایمان وایقان تسلیم ورضا کی راہ اور اللہ

اور اسکے رسول کی عبادت واطاعت کرتے اور کامیاب وکامران ہوتے ہیں۔ دوسرے کون کون لوگ تکذیب وتمرد پر قائم رہتے ہیں اور کفر وسرکشی پر جمے رہتے ہیں اور اللہ تعالی کے عذاب وعقاب کو دعوت دیتے ہیں۔ اس سے بعثت انبیاء کا مقصد بھی واضح ہوگیا اور لوگوں پر حجت بھی تام ہوگئی؛ مگر ہر دو گروہ کا امتحان واختبار عقلاً ضروری ہوا اور سنت الہی جاری ہوئی۔

اب جن لوگوں نے ایمان وایقان کو اپنایا، حق جل مجدہ اس کا امتحان لیتا ہے، اور ابتلا میں ڈالتا ہے؛ تاکہ واضح ہوجائے کہ اپنے قول ایمان میں صادق ہے یا کاذب۔ اگر کاذب ہوگا، تو ایمان کو ترک کردے گا، اور امتحان میں ناکام ہوجائے گا اور امتحان سے اس طرح بھاگے گا جس طرح عذاب الہی سے بھاگنا چاہیے۔ اس کے برعکس اگر مومن کامل ہے، تو ابتلا وامتحان میں ثابت قدم رہ کر بطیب خاطر جملہ مکروہات کو بآسانی جھیل لیتا ہے اور وہ کامل الایمان ہوکر مقرب بارگاہ الہی بن جاتا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَمَّا رَأَ الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا (الأحزاب: ۲۲)

ترجمہ: اور جب اہل ایمان نے ان لشکروں کو دیکھا، تو کہنے لگے: یہ وہی ہیں جن کی ہم کو اللہ اور رسول نے خبر دی تھی۔ اور اللہ اور رسول نے سچ فرمایا۔ اور اس سے ان کے ایمان واطاعت میں اور ترقی ہوگئی۔

حاصل یہ نکلا کہ مومن کو ابتلا سے ایمان میں ترقی ہی ہوتی ہے، اور مقصود بھی یہی ہے کہ مومنوں کے ایمان کو کامل ومکمل کردیا جائے۔ برخلاف ان لوگوں کہ جنھوں نے ایمان وتسلیم کی شان پیدا نہیں کی، ان کو آخرت میں عذاب اور سخت ابتلائے محض میں ڈالا جائے گا، اس لیے حق تعالیٰ نے ان کو دنیا میں مصیبت وآلام میں نہ ڈال کر برزخ وقیامت اور آخرت

کے عذاب مسلسل میں مبتلا کر دیا۔

اور مومن کو دنیا میں جو کچھ بھی آلام و تکالیف ہیں، وہ خفیف و اسہل ہوا کرتی ہیں؛ کیوں کہ وہ جملہ آلام کو قوت ایمانی کی بدولت اور صبر و ثبات اور تسلیم و رضا کی راہ سے آسانی کے ساتھ جھیل لیتا ہے۔ یہ نسبت کافر و منافق اور فاسق و فاجر کے کہ وہ شدید تر، دائمی مسلسل وغیر منقطع آلام میں مبتلا ہو گا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ مومنوں پر رنج و آلام دنیا میں ہیں، اور وہ بھی ایک وقت محدود تک، اور بعد میں دائمی و متصل نعمت ہی نعمت۔ اور کافر و منافق اگر اس دنیا میں رنج و آلام سے محفوظ بھی رہیں، تو بعد میں غیر منقطع اور دائمی و ابدی آلام ہی ان کا نصیب و مقدر بن چکے ہیں۔ لہذا ہر نفس کے لیے رنج و آلام ضروری ہے، چاہے مومن ہو یا کافر؛ لیکن مومن کو اس دنیا میں رنج والم، اور وہ بھی چند ایام کے لیے، پھر انھی لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت کی نعمت مقرر ہے اور کافروں و منافقوں کو ابتداء لذت و نعمت میسر ہوتی ہے، پھر وہ رنج والم کی وادی میں پھینک دیے جاتے ہیں۔

اس اصول کے تحت حضرت حق جل مجدہ اس دنیا میں مومنوں کو رنج والم میں ڈالتے ہیں۔ لہذا مومنوں کو کبھی بھی اس سے خلاصی کی تمنا نہیں کرنی چاہیے کہ ہمیں رنج والم پہنچے ہی نہیں۔ واللہ اعلم۔

انسان مدنی الطبع ہے

انسان مدنی الطبع ہے کہ لوگوں کے ساتھ زندگی گزارے گا، بغیر اسکے زندگی گزارنا ممکن نہیں، جب کہ حق جل مجدہ نے تمام اولاد آدم کو مختلف شکلوں اور صورتوں میں پیدا کیا۔ سب کی سوچ، ارادے، ہمتیں، قوت، شجاعت اور زندگی گزارنے کے طریقے بھی مختلف

ہوئے۔سب کی رائے بھی متحد نہیں ہوسکتی۔اس اصول اور حکمت کے تحت لوگ مختلف العقیدہ والخیال ہو گئے۔

سبب امتیاز

اب دوصورتیں ہوں گی: یا تو مومن ومسلمان عام لوگوں کے عقیدے سے اتفاق کریں گے، یا اختلاف، متحد ہوں گے یا مختلف۔صاحب ایمان، اہل کفر وضلال سے اختلاف کریں گے اورضرور کریں گے،تو اعدائے اسلام یقیناً مومنوں کواذیت وتکلیف دیں گے(کیوں کہ عقیدہ باطل اورظلم عظیم سے صاحب ایمان کبھی مصالحت نہیں کرے گا کہ رب العرش العظیم کی رضا کا طالب ہے)

اوراگر مومنوں نے غیر مومنوں سے اتفاق کرلیا (العیاذ باللہ) تو بھی رنج والم، عذاب وعقاب سے نجات نہیں پا سکتے، اور وہ ہے عذاب آخرت: کیوں کہ اعدائے اسلام سے عقیدے میں اتفاق کرلیا تھا۔لہذا ہر دوصورتوں میں اسی زمین پراورانہی لوگوں کے ساتھ ان کی مخالفت کر کے مومنانہ شان سے آپ کو امتیاز کے ساتھ زندگی گزارنی ہوگی: کیوں کہ ان کے اعتقادات وتصورات آپ کی شریعت کے خلاف تھے،تو اب اذیت و تکلیف،آلام ومصائب اعداء کی طرف سے ہوں گے۔اوراعداء کی موافقت کی صورت میں بھی آپ کورنج والم،عذاب وعقاب اخروی ہوگا کہ آپ نے باطل کے ساتھ اتفاق کرلیا تھا۔

اب آلام ومصائب اللہ تعالی کی طرف سے ہوں گے،تو ہر دوصورتوں میں آلام و مصائب ہیں۔ اعداء کی مخالفت میں آلام ومصائب دنیاوی ہیں، جو اسہل وایسر اور قابل برداشت ہیں،بخلاف موافقت میں عذاب والم ابدی واخروی ہے، جو ناقابل برداشت ہوگی۔ اب آپ خودفیصلہ کرلیں کہ مومنوں کواذیت وتکلیف کیوں نہ پہنچے؟ پھرآپ گھبراتے کیوں ہیں؟

حاصل بحث

حاصل یہ ہے کہ اعداء سے مخالفت میں آلام ومصائب من الاعداء ہیں۔ اور موافقت میں آلام ومصائب من اللہ ہیں۔ اب آپ کو یہ اختیار ہے جوراہ پسند کریں۔ اور اس کوایک مثال سے یوں سمجھیں کہ ایک شخص آپ کودعوت دیتا ہے کہ آپ اس کے ساتھ ظلم و زیادتی، جھوٹی گواہی، حرام کی اعانت میں ساتھ دیں۔ اگرآپ نے حق تعالی کے خوف سے انکارکر دیا، تو وہ شخص آپ کا دشمن بن جائے گا۔ آپ کو ہر ممکن کوشش کے ساتھ اذیت و تکلیف دے گا، دلوائے گا، ظلم کرے گا، کرائے گا، لیکن اس میں مومنوں کے لیے اخروی اعتبار سے عافیت ہے۔ ساتھ ہی ان پر غلبہ کا وعدہ ہے۔ شرط، صبر اور تقوی ہے۔ إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۰﴾ [یوسف: ۹۰]

اور اگرآپ نے اس کی اذیت وتکلیف سے بچنے کے لیے موافقت کر لی، تو یاد رکھیں! اس کی اذیت سے زیادہ خطرناک اذیت آپ کوجہنم میں دی جائے گی، حالاں کہ آپ نے اذیت سے بچنے کے لیے ہی ان کی موافقت کی تھی، اور پھر بھی نجات نہ مل سکی، تو یہ کہاں کی دانائی وعقلمندی ٹھہری ؟ تو لب لباب یہ نکلا کہ مومنوں کے لیے اس دارالبلا میں اذیت وتکلیف لازمی ہے، لہذا آپ گھبرائیں نہیں، اور یہ سب تَطْهِيرًا لِلذُّنُوبِ ہے، یا رفع درجات کے لیے ہے۔

متاع دنیا چار ہیں

(۱۱) دنیا میں جتنی بھی مصیبتیں ہیں، جن سے انسان کودو چار ہونا پڑتا ہے، وہ سب کی سب چار قسم کی ہیں:

(۱) نفس وجان

(۲) مال ومنال

(۳) عزت وجاہ

(۴) اہل واولاد یعنی مصائب وآلام انہیں چار پر آتی ہیں۔

کبھی یہ اشیا بالکل ہی ختم ہو جاتی ہیں۔کبھی محض رنج والم اور تکلیف واذیت پہنچا کرتی ہے۔اس میں سب سے زیادہ سنگین دکھ انسان کو جان کے تلف پر ہوتا ہے؛ کیوں کہ جملہ اسباب ومتاع دنیا سے منتفع ہونا جان ہی کی سلامتی پر موقوف ہے۔جب جان ہی باقی نہ رہی،تو جملہ اشیاء ومتاع دنیا بے کار رہیں۔

موت یا شہادت

تمام ادیان اور ہر گروہ انسانیت کو اس کا بھی اعتراف ہے کہ ہر ذی روح کو فنا ہونا ہے۔اب غیروں میں اور مومنوں میں یہی ایک شان امتیاز پیدا ہوتی ہے کہ مرنا تو سب کو ہے؛مگر مومن شہادت کی تمنائیں کیا کرتا ہے؛اس لیے کہ شہادت کی موت جملہ اموات سے اشرف اور اسہل ہے۔شہادت کی راہ لقائے رحمٰن ، لقائے حق اور دراصل حیات جاودانی ہے۔شہادت کا لفظ بذات خود ایمان والوں کو جام وسبو اور فدائیت کی دعوت دیتا ہے کہ کلمہ حق کی حقانیت کی شہادت جان دے کر دے دی۔اور جان سے زیادہ کوئی چیز ایمان والوں کو عزیز نہیں۔شریعت نے بھی کیا خوبصورت لفظ شہادت کا خطاب دیا کہ جسم کا انگ انگ، ہر رگ وریشہ کا قطرہ قطرہ،حق کی شہادت دے کر نام شہادت کا پاتا ہے:

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

موت شہادت اشرف واسہل ہے

اس لیے موت معتاد سے موت شہادت ہزار درجہ آسان ہے؛ کیوں کہ بسا اوقات موت معتاد میں انسان بیمار ہوکر سخت مرحلوں سے گزر کر عالم سکرات میں پہنچتا ہے۔ پھر بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ عالم سکرات میں ہفتوں گزرتے ہیں، جو سخت رنج والم اور تکلیف واذیت کا عالم ہوتا ہے، جب کہ شہادت کی موت میں ایسی کوئی تکلیف نہیں۔ اور موت شہادت انھی خوش نصیب لوگوں کو آتی ہے، جو اللہ کے دین کی خاطر اپنی قوت ایمانی کو حق کی سربلندی کے لیے بروئے کار لاتے ہیں، اور بغیر مرض وسکرات کے سکنڈوں میں جاں بحق ہوجاتے ہیں، اور شہادت کا اعزاز ان کو ملتا ہے۔ بخلاف دوسروں کے کہ ان کو لفظ موت کا خطاب ملتا ہے۔

شہادت کا مقام

جو شخص شہادت سے گھبراتا، یا بھاگتا ہے، وہ اپنے خیال سے یہ سوچا کرتا ہے کہ عمر اس کی مزید طویل ہوگی، اور وہ عیش وعشرت میں چند ایام اور گزارے گا، حالاں کہ یہ سراسر خیال خام ہے۔ حق تعالی کا ارشاد ہے:

قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا (الأحزاب: ۱۶)

ترجمہ: ”آپ فرما دیجیے کہ تم کو بھاگنا کچھ نافع نہیں ہوسکتا اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگتے ہو، اور اس حالت میں بجز تھوڑے دنوں کے اور زیادہ متمتع نہیں ہوسکتے“۔

تو معلوم ہوا کہ نہ قرار میں ضرر ہے نہ فرار میں نفع ہے؛ کیوں کہ یہ سب تقدیر کے

تابع ہیں۔موت اپنے وقت پر ہی آئے گی۔ارشاد باری تعالی ہے:

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللّٰهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءً أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا (الأحزاب:١)

ترجمہ: یہ بھی فرمادیجیے کہ وہ کون ہے جوتم کو اللہ تعالی سے بچا سکے اگر وہ تمھارے ساتھ برائی کرنا چاہیے؟ یا وہ کون ہے جو اللہ تعالی کے فضل کو تم سے روک سکے اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے؟ اور وہ اللہ تعالی کے سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مدگار۔

لہٰذا تم لاکھ بھاگنے کی کوشش میں رہو، اللہ تعالی کے قبضے سے تم کو کوئی نکال نہیں سکتا، چہ جائے کہ موت سے تم کو کوئی بچا سکے۔

سنت الٰہی

حق جل مجدہ کی سنت و عادت یوں ہی واقع ہوئی ہے کہ انسان جب اپنے جان و مال کو اللہ تعالی کے راستے میں خرچ نہ کر کے بخل اور کنجوسی سے کام لیتا ہے، تو حق جل مجدہ اس کا رخ بدل دیتے ہیں۔اب اللہ تعالی اس کی جان و مال کو اس طرف خرچ کرادیں گے جس میں نہ ہی دین کا فائدہ ہوگا نہ دنیا کا؛ بلکہ بسا اوقات اس میں دنیا و آخرت کی مضرت ونقصان ہی چھپی ہوگی۔اس کا مشاہدہ بھی اہل ایمان، صاحب مال لوگوں کے یہاں کر رہے ہیں۔ ایسا شخص نہ دنیا پر خرچ کرتا ہے اور نہ ہی آخرت کے کاموں پر۔وہ مال کو جمع رکھتا ہے، نہ خود فائدہ اٹھا سکتا ہے اور نہ غیروں کو نفع اٹھانے دیتا ہے، پھر حق تعالی تمام اموال کو اس کی مرضی کے بغیر غیر کی طرف منتقل کر دیتے ہیں، اور یہ دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔

یہی حال قوت کے استعمال کا ہے۔اگر انسان اپنی قوتوں کو اللہ تعالی اور اس کے

رسول کی سر بلندی کے لیے استعمال نہیں کرے گا، تو زندگی استعمال ضرور ہوگی، لیکن اگر تو نے اللہ تعالی کے دین کی خاطر تعب وتھکن نہیں اٹھائی، تو حق تعالی اس کو غیر مرضی میں زیادہ تعب و تھکن میں ڈال دیں گے۔

اخیر میں اسلام کے مشہور بزرگ شیخ ابن عربی کا ایک اقتباس درج کرکے اس بحث کو مکمل کیا جاتا ہے جو گویا اس پوری بحث کا متن اور اصل ہے، وہ فرماتے ہیں:

"ومن عذاب المومن ماسلط اللہ علیھم من اصحاب الاھواء والکفار من الاسر والعذاب والاسترقاق والقتل فی الدنیا کل ھذا ایکفر لھفوات وزلات نفسیة وحسیة علی قدر ماوقع منھم"۔

"ایمان والوں کے عذاب ہی کی شکلیں کہ بدعقیدہ لوگوں اور اہل کفر کو ان پر مسلط کر دیا جاتا ہے یعنی ان کے قیدی بنا دیئے جاتے ہیں، دکھ ان کی طرف سے پہنچتا ہے، غلام ان کے بنا دیئے جاتے ہیں، اور ان کے ہاتھوں قتل ہوتے ہیں، یعنی دنیا میں ان سزاؤں کے شکار ہوتے ہیں، مگر یہ سب اہل ایمان کی یاوہ گوئیوں اور نفسانی وحسی لغزشوں کی سزا ہوتی ہے"۔

ابلیس کی مثال

اور اس کی مثال ابلیس کی سی ہے۔ ملعون نے آدم علیہ السلام کو محض اس لیے سجدہ نہیں کیا تھا کہ میری اس میں ذلت وخفت ہے، اور اپنے لیے عزت کا طالب بنا، تو انجام یہ نکلا کہ حق تعالی نے ذلیل تر بنا دیا، اور ابلیس کے ذمے فساق وفجار کی خدمت سپرد کر دی گئی۔ جب نبی کے سامنے حکم الہی کی اتباع سے منکر ہوا تو بجائے عزت کے ذلت مقدر ہوگئی۔

یہی حال ان لوگوں کا ہے جو ایک اللہ کی عبادت سے منہ موڑ کر توحید کے منکر ہوئے ، اور لاتعداد پتھر کے اصنام کے سامنے جھک گئے ۔عزت کی راہ ترک کردی اور ذلت کو گوارہ کرلیا۔قادر مطلق (علی الاطلاق) سے بھاگے اور عاجز مطلق (علی الاطلاق) کے سامنے جھک گئے ۔اسی طرح جو شخص اپنا مال ومنال اور جسم وجان اللہ تعالی کی مرضیات میں صرف نہیں کرتا، یقیناً یہ اشیا صرف تو ہوں گی مگر اللہ تعالی کی نافرمانی میں ۔

اس لیے جب مومن حق جل مجدہ کی اطاعت کو اختیار کرے گا،تو ظاہر سی بات ہے اہل دنیا اس سے نالاں ہوں گے، اور جن چیزوں کی وجہ سے مومنوں نے دنیا کی عزت چھوڑی ہے، وہ اہل دنیا کی مبغوض ہیں (یعنی آخرت) اور مومن کی محبوب ومطلوب ، در حقیقت وہ مومن کی عزت ہے جس کو اہل دنیا ذلت تصور کرتے ہیں ۔انہیں تمام اسباب کی وجہ سے مومنوں کو ابتلا میں ڈالا جاتا ہے۔آپ کے سوال کا جواب قدرے تفصیلی ہوگیا۔حق تعالی عافیت وراحت کے ساتھ ایمان وایقان کی زندگی عطا فرمائے ، اور ہم سب کو اپنی دائمی وابدی رضا سے نوازے۔آمین یا سمیع الدعاء یا مجیب یا مجیب یا مجیب! واللہ اعلم ۔

مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی
امام مسجد مصلیٰ الحبتور

❁❁❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمانوں کے دنیوی مصائب
کے
دینی اسباب؟

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کچھ عرض کرنے سے پہلے یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس مضمونچہ کی حیثیت جواب کی نہیں، بلکہ استفہامی علامت ہی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ لکھنے والا کچھ پوچھنا چاہتا ہے، گویا مفتی نہیں بلکہ اہل علم کے سامنے مستفتی بن کر حاضر ہو رہا ہے، دوسری بات اسی سلسلہ میں کہنے کی یہ ہے کہ میری بحث یا سوال کا دائرہ صرف دینی اسباب تک محدود ہے، دنیوی اسباب کا قصہ ان ہی لوگوں کے غور و فکر کے سپرد کرنا مناسب ہے جو دنیا اور اس کے معاملات کا تجربہ رکھتے ہیں، اور یوں بھی غالباً یہ مسئلہ چنداں دشوار بھی نہیں، بقول سعدی (۱) جب "مسکین خر" اپنی ساری بد تمیزیوں کے باوجود بھی "بار ہمی برد" کی ضرورت کو ثابت کر کے اشرف المخلوقات کے عزیزوں میں شریک ہوسکتا ہے تو انسانیت کی ایک ہی برادری والوں میں عزیز بن جانا اور عزت کی زندگی حاصل کر لینا ایک انسان کے لئے کیا دشوار ہوسکتا ہے؟ آخر جینے کے جس "گر" سے گدھے بھی واقف ہیں، اگر باوجود آدمی ہونے کے کسی قوم کی سمجھ میں اتنی بات بھی نہیں آتی تو اس کے لئے نہ تقریریں مفید ہوسکتی ہیں اور نہ تحریریں، ان کے لئے تو

(۱) مرا اشارہ گلستان کے مشہور مکتبی شعر کی طرف ہے۔

مسکین خر اگرچہ بے تمیز است چون بار برہمی برد عزیز است

کمالات پیدا کر کے قوموں نے ہمیشہ اپنی قیمت ان لوگوں سے بہر حال وصول کی ہے جو کسی خاص جذبہ کے تحت انسانی حقوق سے ان کو محروم کرنا چاہتے تھے، بنی امیہ اور بنی عباس تک کے عہد میں عیسائیوں اور یہودیوں اور مجوسیوں نے ان حکومتوں کو مجبور کیا کہ اپنی صحت، اپنے مالیات، اپنے زرعی کاروبار کو ان قوموں کے حوالہ کریں، تاریخ کے صفحات ان کی داستان سے معمور ہیں۔

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر

جی چاہتا ہے کہ اکبر مرحوم کے اسی مصرعے کو دہرا کر چپ ہو جائے۔ إِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى وَلَا تُسۡمِعُ مَنۡ فِي الۡقُبُوۡرِ۔

ان پھپھولوں کو پھوڑنے کے بعد اب آیئے اور سنئے، پوچھنے والا کیا پوچھنا چاہتا ہے؟ یہ ایک خالص دینی سوال ہے، دین اور علم دین سے دل چسپی رکھنے والے میرے صحیح مخاطب ہیں۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ (عقائد یا کلام کی کسی فرقہ واری کتاب میں نہیں) بلکہ قرآن ہی میں جیسا کہ سب جانتے ہیں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ ”نہ تمہاری آرزوؤں اور نہ کتاب والوں کی آرزوؤں کا تابع بلکہ قدرت کا فیصلہ ہے کہ جو بھی کرے گا کوئی برائی، بدلہ اس کا اسے دیا جائے گا“

یعنی سورۃ النساء کی آیت ”لَيۡسَ بِأَمَانِيِّكُمۡ وَلَآ أَمَانِيِّ أَهۡلِ الۡكِتَابِ مَنۡ يَعۡمَلۡ سُوٓءًا يُجۡزَ بِهٖ“ کا مفاد اور حاصل ہے۔

اسی کے بالمقابل قرآن ہی میں یہ بھی ہے کہ ”اور جو کرے کوئی برائی، یا اپنے آپ پر جو ظلم کرے، پھر بخشش اور مغفرت چاہے اللہ سے، تو ہے گا اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان“

یعنی اسی سورۃ النساء کی دوسری آیت ”وَمَنۡ يَعۡمَلۡ سُوٓءًا أَوۡ يَظۡلِمۡ نَفۡسَهٗ ثُمَّ يَسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا“ کا لفظی ترجمہ ہے۔ اور ایسی آیتیں جس کا مفاد بھی یہی ہو جو اس آیت کا ہے، قرآن کے متعدد مقامات پر جیسا کہ قرآن پڑھنے والے جانتے ہیں پائی جاتی ہیں، بلکہ اسی سورہ میں مشہور آیت بھی ہے جس میں اس کلی قانون کا اظہار فرمایا گیا ہے کہ

" قطعاً اللہ نہ بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شریک یا ساجھی ٹھہرایا جائے اور بخش دے گا اس کے سوا جس کے لئے چاہے گا" یعنی

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ" کا جو معنی اور مطلب ہے۔ یہ دو باتیں ہیں، اب تیسری بات قرآن ہی کی یہ بھی ہے کہ

" میں نے دھمکایا تم کو آگ سے جو بھڑک رہی ہے، نہ گھسے گا اس آگ میں مگر جو سب سے زیادہ بد بخت ہے، وہی جس نے جھٹلایا اور پیٹھ پھیری"۔

یعنی سورۃ اللیل کی آیت "فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى لَا يَصْلٰىهَا اِلَّا الْاَشْقَى الَّذِيْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى " کے واضح الفاظ سے صراحتاً جو بات سمجھ میں آئی ہے اب اسی کے ساتھ تشریحاً بخاری کی ان دو حدیثوں کو بھی ملا لیجئے، پہلی حدیث حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی جس میں ہے کہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے الہ (معبود) مگر اللہ ہی، اور یہ کہ قطعاً محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہے، دل کی سچائی کے ساتھ جس نے ان دونوں باتوں کی گواہی دی اور اقرار کیا تو نہیں ہے (اس کے لئے کوئی صورت بجز اس بات کے) کہ حرام کر دے اللہ اس پر آگ کو یعنی جہنم کو" یعنی "مَا مِنْ اَحَدٍ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِّنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ (متفق علیہ دیکھئے مشکاۃ مولوی ادریس والی ص ۹ جلد ۱)۔

دوسری روایت عتبان بن مالک صحابی کی جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قطعاً اللہ نے آگ یعنی (جہنم) پر حرام کر دیا اس کو جس نے لا الہ الا اللہ کہا، اللہ کے چہرے کو اس کے ذریعہ تلاش کرتا ہے۔

یعنی اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِيْ بِذٰلِكَ

وَجۡهَ اللّٰہِ۔ (جمع الفوائد ص ۸)

ظاہر ہے کہ ان دونوں حدیثوں کا مفہوم بھی وہی ہے جو سورۃ واللیل والی آیت کا مفاد ہے یعنی جہنم میں صرف وہی جائیں گے جنہوں نے اللہ کے رسول کے لائے ہوئے پیغام کو جھٹلا دیا ہو، اور جھٹلا کر پیغمبر سے رشتہ توڑ لیا ہو بالفاظ دیگر تکذیب وتولی کا مجرم بن کر جس نے اپنے آپ کو شقاوت اور بدبختی کی آخری منزل تک پہنچا دیا ہو، یعنی اِلَّا الۡاَشۡقَی الَّذِیۡ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی کا جو مصداق بن گیا ہو، ان صفات سے موصوف ہونے کے بعد چونکہ کوئی مسلمان باقی نہیں رہ سکتا، اس لئے آیت کا واضح اور کھلا ہوا مطلب یہی ہوا کہ جہنم میں وہی جائے گا اور اس کے سوا کوئی نہ جائے گا جو مسلمان نہیں ہے، یہی حاصل اس آیت کا بھی ہے اور اسی مضمون کی تائید وتشریح بخاری شریف کی ان دونوں صحیح حدیثوں سے بھی ہورہی ہے۔

پوچھا اب بھی جاتا ہے کہ مذکورہ بالا تین قسم کی آیتوں کی بنیاد پر کیا یہ عقیدہ قرانی عقیدہ نہ ہوگا کہ جہنم کا عذاب صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو مسلمان نہیں ہیں خواہ وہ صراحتاً منکر یا مکذب ہوں یا منافق (۲) ہوں، اور کسی قسم کا مسلمان ہو جہنم کی آگ اس کے لئے کے

---

(۲) منافق کے متعلق عام طور پر جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ دل سے تو بالکلیہ منکر ومکذب ہو اور زبان سے اسلام کا اقرار کرتا ہو، قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیفیت تو منافق طبقہ کی ایک قسم ہے، یہ وہی لوگ معلوم ہوتے ہیں جن کی مثال اس آگے سلگانے والے سے قرآن میں دی گئی ہے، جو اپنی شعلہ زبانیوں سے لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے پھیلا رہا تھا، کیوں کہ اس روشنی کا اس سے باطن سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا، یوں تاریکیوں کے احاطہ میں خود گھر جاتا ہے اور ایسی حالت میں گرفتار رہتا ہے کہ نہ دوسروں کو اپنے باطن کی واقعی کیفیت سے مطلع کرسکتا ہے کہ اس کے زبانی دعوے کے خلاف یہ بات پڑے گی، اس لئے بکم یعنی اس قسم کے لوگ گونگے ہوجاتے ہیں، اور تاریکیوں میں گھر جانے کی وجہ سے (باقی اگلے صفحہ پر)

حرام اور جہنم کی آگ کے لئے وہ حرام ہے، گویا نہ جہنم ہی مسلمان کے لئے ہے اور نہ مسلمان ہی جہنم کے لئے ہے، بتایا جائے کہ اس عقیدے کو غیر قرآنی عقیدہ قرار دینے کی کیا صورت ہے، خصوصاً صاحب بخاری کی دو دو صحیح حدیثوں کا صریح و واضح مفاد بھی یہی ہے جو سورہ واللیل کی آیت سے سمجھا جارہا ہے، جب تک کہ خدائی الفاظ کے ساتھ بیرونی آمیزش کو شریک کرنے کی جرات نہ کی جائے اس وقت تک قرآن کی اس آیت کا ترجمہ و مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا جس کی تائید اور تشریح ان دونوں حدیثوں کے الفاظ سے ہو رہی ہے۔

اب اس کے بعد پہلی آیت جو نقل کی گئی ہے اس کا مفہوم سامنے آتا ہے یعنی ہر

باہر سے بھی نہ ان کی آنکھیں کچھ لے سکتی ہیں، اور نہ ان کے کان، اسی لئے صم (بہرے) عمی (اندھے) وہ ہوجاتے ہیں، یہ انسانی نفسیات کی ایسی ناپاک کیفیت ہے کہ واقعی روشنی کی طرف اس قسم کے زبان درازوں کے لئے واپسی کا کوئی موقعہ باقی نہیں رہتا فہم لا یرجعون۔ مگر دوسری تمثیل اسی طبقہ کی برستی ہوئی پھواروں یعنی کصیّب من السماء سے دی گئی ہے جن میں ظلمات اور تاریکیاں تو زیادہ ہوتی ہیں، لیکن کبھی کبھی رعد کی گرج سے ان کے کان اور برق کی چمک سے ان کی باطنی بینائی متاثر بھی ہوتی رہتی ہے۔ یہ فکری نفاق کی نفسیاتی کیفیت کی تصویر ہے،، وساوس و شکوک کی پھواروں کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی حق کی گرج اور صداقت کی چمک بھی ان کے اندر کوند جاتی ہے، مگر ان سے زیادہ دیر تک قصداً مستفید ہونا نہیں چاہتے، کہ ان کی غیر دینی اور فاجرانہ زندگی پر اندیشہ ہوتا ہے ضرب قاضی کا، یہ استفادہ نہ ثابت ہوا، اسی لئے کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر فسق و فجور کی زندگی کو موت سے بچانا چاہتے ہیں، الغرض ان ہی نفسیاتی کیفیتوں میں الٹ پلٹ ہوتے رہتے ہیں، جب کچھ روشنی ہوئی ذرا دیر کے لئے چل پڑے پھر تاریکی کا حملہ ہوا اور جہاں تھے وہیں ٹھٹھک کر رہ گئے، بہرحال نفاق کی پہلی قسم کا تعلق ان لوگوں سے ہے، جو فکری و عقلی قوت سے کام نہیں لیتے اور دنیاوی کاروبار میں ہوشیار ہوتے ہیں، دوسروں کو مطمئن کرنے کے لئے منہ سے کچھ باتیں بنالیا کرتے ہیں، ان کا باطن قطعاً سیاہ ہوتا ہے، جس میں ایمان کی کوئی کرن نہیں ہوتی، لیکن دوسری قسم ارباب فکر و نظر کے طبقہ منافقین کی ہے، بہ ظاہر (باقی اگلے صفحہ پر)

برائی کا بدلہ برائی کرنے والوں کو دیا جائے گا، "مَنۡ یَعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِهٖ" کا یہی حاصل ہے، اسی کے ساتھ دوسرے مدوالی آیتیں یعنی قرآن ہی کے قانون عفو ومغفرت کو بھی رکھ لیا جائے، ان ساری باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر یہ سمجھا اور سمجھایا جائے کہ عذاب کی بدترین قسم اور سزا کی شدید انتہائی شکل تو وہی ہے جسے بھگتنے والے جہنم میں بھگتیں گے ، جو مسلمان ہے وہ اس عذاب سے تو بچ جائے گا، مگر عذاب کی اور بھی تو قسمیں ہیں، جہنم میں داخل ہونے سے پہلے جسر (پل صراط) میدان حشر کی فوقانی وتحتانی، ظاہری وباطنی پریشانیاں، نیز اس سے پہلے برزخی عذاب کا بھی ایک مستقل سلسلہ ہے یہ تو مرنے کے بعد جہنم میں داخل ہونے سے پہلے سزاؤں کی مختلف غیبی شکلیں ہیں جو آئندہ اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد پیش آئیں گی اور ان کے سوا موت سے پہلے خود اسی دنیا میں مصائب وآلام کی گوناگوں شکلوں کا حصہ بھی ہے، ظاہر ہے کہ جہنم کے عذاب سے بچ جانے کا مطلب یہ قطعانہیں ہے کہ سزاؤں کی دوسری شکلیں جو موت کے بعد یا موت سے پہلے اسی زندگی میں مجرموں کو پکڑتی ہیں ان سے بھی مسلمان ہوجانے سے آدمی محفوظ ہوجاتا ہے، مسلمان ہونے کا نتیجہ زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ جہنم کی آگ اس پر حرام ہوجائے، بلکہ جب قرآن کا یہ اعلان ہے کہ ہر سوا اور برائی کا بدلہ اس کے مرتکب کو چکھایا جائے گا اس لئے یقین کرنا چاہئے

ان کو کبھی اپنی فکری ونظری جدوجہد میں صداقت وایمان کی کچھ شعاعیں ہاتھ آتی ہیں، لیکن ان سے افسوس وہ مستفید نہیں ہوتے، وساوس واوہام کے لکدکوب سے ان کے قلوب پر ہوتے ہیں مگر بہ ظاہر مسلمانوں کی جماعت میں شریک رہتے ہیں، حدیثوں میں جن لوگوں کے متعلق آیا ہے کہ مقدار خردل یا ذرہ برابر بھی ایمان جن میں ہوگا غالباً فکری نفاق کے ان مریضوں کا یہ حال ہوگا، ان کو جہنم میں جانے اور سزا بھگت لینے کے بعد پھر ان کو نئی زندگی مقدار خردل والے ایمان کی بدولت بخشی جائے گی لیکن یہ مومن ومسلم نہیں بلکہ منافق سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔

کہ جہنم کی سزا سے بچ جانے کے بعد مسلمانوں کے لئے سزا کی یہی شکلیں باقی رہ جاتی ہیں جو جہنم میں داخل ہونے سے پہلے بنی آدم کے سامنے آئیں گی، چونکہ قرآن ہی نے یہ خبر بھی دی ہے کہ برائی کرنے والے اور اپنے آپ پر ظلم توڑنے والے اللہ تعالیٰ سے اگر مغفرت چاہیں گے، تو اللہ کو بہت بڑا بخشنے والا اور بہت بڑا مہربان پائیں گے، اس لئے اگر یہ مانا جائے کہ حشر یا میدان حشر یا عذاب قبر وغیرہ کی سزاؤں پر مغفرت کے اسی قانون کا یہ عمل ہوگا کہ بجائے ان کے ان ساری سزاؤں کو دنیا کی تکلیفوں اور مصیبتوں کی شکل میں قدرت بدل دیتی ہے تو قانون عفو و مغفرت کا اقتضا بھی پورا ہو جاتا ہے اور مجازات و مکافات کا وہ قانون عام جس کا اعلان "مَنۡ يَعۡمَلۡ سُوۡٓءًا يُّجۡزَ بِهٖ" میں کیا گیا ہے اس کی تکمیل کی راہ بھی نکل آتی ہے، بلکہ دنیا کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں بھی سارے مصائب و آلام دکھ پہنچانے کے لحاظ سے چونکہ برابر نہیں ہیں، اس لئے مغفرت طلبی میں زور لگانے والے جتنا زیادہ زور لگائیں گے، سزاؤں کے قالب بھی بدلتے چلے جائیں گے، یعنی نسبتاً کم تکلیف پہنچانے والی مصیبتوں میں مبتلا ہو کر قانون مجازات کا اقتضاء ان کے لئے پورا ہوگا اور سچ پوچھئے تو صحاح کی کتابوں میں اسی قرآنی آیت یعنی "مَنۡ يَعۡمَلۡ سُوۡٓءًا يُّجۡزَ بِهٖ" جس میں ہر جرم کو مستحق سزا قرار دیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ مجازات کے قانون سے کسی مجرم کا کوئی جرم مستثنیٰ نہیں ہے، اسی کے متعلق بکثرت ایسی روایتیں جو مروی ہیں، کسی میں ہے کہ

"جب مذکورہ بالا آیت (مَنۡ يَعۡمَلۡ سُوۡٓءًا يُّجۡزَ بِهٖ) نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ آیت بہت گراں ثابت ہوئی، اور حد سے زیادہ ان کو تشویش میں اس آیت نے ڈال دیا، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے اس احساس کو جب ظاہر کیا، تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سیدھے بنو اور نیکی سے قریب ہونے کی کوشش میں لگے رہو اور یقین کرو، کہ مسلمان پر جب کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے حتی کہ کانٹا بھی جو کوئی

چبھ جاتا ہے، یا کوئی ٹھوکر لگتی ہے، یہ کفارہ تمہارے گناہوں کا بن جاتی ہے''۔

تفسیر درمنثور میں اس روایت کو درج کرتے ہوئے صحیح مسلم کا بھی صحاح کی دوسری کتابوں مثلاً ترمذی ونسائی وغیرہ کے ساتھ حوالہ دیا ہے، اسی کے ساتھ بخاری ومسلم کی وہ روایت بھی درج کی ہے جس میں ہے کہ کسی مومن کو کوئی دکھ درد، بیماری، غم والم، یا کسی قسم کا کوئی درد ہوتا ہے اس کے ذریعہ بھی اس کے گناہوں کا ازالہ ہوجاتا ہے۔یعنی وہی سزا جو کسی اور عالم میں ہونے والی ہوتی ہے وہ اسی دنیا میں ان مصائب کی شکل میں پوری ہوجاتی ہے، اس باب میں کس حد تک مغفرت کا قانون سزاؤں کی تخفیف میں اثر انداز ہوتا ہے اس کا اندازہ ان روایتوں سے ہوتا ہے جن میں ہے کہ اپنی چیز رکھ کر آدمی بھول جاتا ہے اور اس کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لئے فکر کی تکلیف میں اسے مبتلا ہونا پڑتا ہے یہ بھی اسی مجازاتی قانون کی تکمیل ہی کی ایک تخفیفی شکل ہوتی ہے، یہ بھی ان ہی روایتوں میں ہے کہ کسی چونٹی کے کاٹ لینے سے یا دل کی دھڑکن سے پسینہ جو آجاتا ہے اس میں بھی مجازات کا قانون اپنا حق پورا کرتا ہے، ابوہریرہ صحابی رضی اللہ تعالی عنہ سے ابن ابی شیبہ کا حوالہ دیتے ہوئے درمنثور میں نقل کیا ہے کہ مسلمان مرد یا عورت دنیا کی مصیبتوں میں مبتلا ہوکر بالآخر صفائی کے ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ مَا عَلَيْهِ مِنْ خَطِيْئَةٍ (گناہ کا کوئی دھبہ ان میں باقی نہیں رہتا) بعض رواتیوں میں ''بے داغ چاندی اور سونے کے مصفا ڈلے'' سے اس شخص کو تشبیہ دی گئی ہے، جو مجازاتی قانون کے عمل کو دنیاوی مصائب کی شکل میں بھگت کر پاک وصاف ہوجاتا ہے۔

بہرحال جہنم سے اس شخص کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا جو نفاقاً نہیں بلکہ واقعۃً دائرہ اسلام میں داخل ہوچکا ہے جہنم سے وہ بیگانہ اور جہنم اس سے بیگانہ ہوجاتا ہے اگر یہ مانا جائے تو سورہ واللیل والی آیت اور معاذ بن جبل وعتبان بن مالک والی صحیح حدیثوں کا کیا مطلب سمجھا جائے، اور ان نصوص سے آخر کیا وجہ ہوگی کہ اس عقیدے کے پیدا کرنے سے لوگوں کو

روکا جائے، خصوصاً ابتدائے اسلام میں بھی صحابہ کے شاگردوں یعنی تابعین میں سے محمد بن سیرین کے متعلق حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ سورہ واللیل کی مذکورہ بالا آیت کا مطلب وہ بھی بیان کرتے تھے کہ مسلمان خواہ عملاً کسی حال میں ہو جہنم کی سزا سے بری ہو جاتا ہے (۳)۔ اور آخر زمانے میں ہندوستان کے مشہور مجدد اسلام حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے مکتوب (۲۶۶ ج ۱) میں فرماتے ہیں کہ

''اہل کبائر کہ گناہان ایشاں بمغفرت نہ آمدہ اند بہ توبہ یا شفاعت یا بمجرد عفوو احسان و نیز آں کبائر را بآلام ومحن دنیوی یا شدائد سکرات موت مکفر نہ ساختہ امید کہ در عذاب آنہا جمعے رابعذاب قبر کفایت کنند و جمعے دیگر را باوجود محنتہائے قبر یا اہوال قیامت وشدائد آں روز اکتفا فرمایند''۔

کبیرہ گناہوں کے مجرموں کے گناہ توبہ کی وجہ سے یا شفاعت یا حق تعالیٰ کی عام مہربانی وعفو وکرم کی وجہ سے نہ بخشے گئے، نیز ان کبیرہ گناہوں کا ازالہ دنیا کی مصیبتوں اور

---

(۳) مسلمان ہونے کے ساتھ ہی جہنم سے انسانیت کا رشتہ قطعی طور پر منقطع ہو جاتا ہے، اس قرآنی عقیدے کے ساتھ خواہ مخواہ اہل کتاب کے ان امانی اور آرزوؤں سے شک میں مبتلا نہ ہونا چاہئے، جن کا قرآن ہی میں مختلف مقامات پر ذکر کیا گیا ہے یعنی یہود کہتے تھے کہ صرف چند گنے گنائے دن کے لئے ہمیں جہنم چھوئے گی، (لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً) یا اہل کتاب کہتے تھے کہ جنت یہود ونصرانی ہوئے بغیر کوئی نہیں جا سکتا، (لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا أَوْ نَصٰرٰى)، کہ ان دعووں کی بنیاد عقیدے اور عمل پر نہیں بلکہ یہود کی نسلی برتری اور اسرائیل کی اولاد ہونے پر مبنی تھی، اسی طرح نصاریٰ کفارہ کے مغالطے میں غلطاں و پیچاں تھے، ان کو باور کرایا گیا کہ خدا کا بیٹا عیسائیوں کے جرائم کی سزا صلیب پر چڑھ کر پا چکا، پھر ان ہی جرائم کی دوبارہ سزا عیسائیوں کو کیسے مل سکتی ہے۔ والقصۃ بطولھا۔ ابن سیرین کے قول کو حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۷۰ مطبوعہ المصر میں ملاحظہ فرمائیے۔

تکلیفوں سے، یا سکرات موت کی تکلیفوں سے نہ ہوا ہوتو اس کی توقع ہے کہ بعضوں کے لئے عذاب قبر کی سزا کافی ہوگی اور بعضوں کے لئے عذاب قبر کے ساتھ قیامت کے دن کے مصائب اور سختیاں کافی ہوجائیں گی۔

سزا یا مجازات کی ان مختلف شکلوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد آخر میں حضرت مجدد قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ

''از گناہاں باقی نہ گذارند کہ محتاج بعذاب نار گردند'' (۔صفحہ نمبر ۳۲۸ جلد نمبر ۱)

جس کا حاصل یہی ہوا کہ مسلمان ہونے کے بعد خواہ کسی قسم کے کبیرہ اور بڑے بڑے اہم گناہوں میں کوئی مبتلا ہو، پھر بھی سزا پانے کے لیے ''عذاب نار'' یعنی جہنم کی ضرورت اس مسلمان کے لئے باقی نہ رہے گی، بلکہ جہنم سے پہلے سزا کی مختلف منزلوں میں اپنے کئے کے خمیازوں کو وہ بھگت لے گا۔

محدث دہلوی حکیم الہند حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں ایک مستقل باب قائم فرما کر اس پر بحث کی ہے کہ دنیا میں بھی اعمال کے نتائج کا ظہور کن کن شکلوں میں ہوتا ہے، شاہ صاحب نے اس قسم کی قرآنی آیتوں کو نقل کر کے جن میں ارشاد ہوا ہے کہ

''جو مصیبت بھی تم پر ٹوٹی، یہ خود تمہارے ہاتھوں کی کمائی سے ہوا'' یعنی وَمَآ أَصَٰبَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ أَيۡدِيكُمۡ وغیرہ مشہور آیتوں میں اسی مضمون کو جو بیان کیا گیا ہے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ صاحب نے مَن يَعۡمَلۡ سُوٓءًا يُجۡزَ بِهِۦ (جس نے جو برائی بھی کی اس کا بدلہ اسے دیا جائے گا) کو پیش کر کے ان ہی حدیثوں کا تذکرہ کیا ہے جن کا بہ تفصیل ذکر گزر چکا۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ دنیاوی مصائب کے قالب میں ان سزاؤں کو بھگت لینے کے بعد بندہ اپنے گناہوں سے اتنا پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسے کثافتوں سے صاف و پاک ہوکر سونا بھٹی سے باہر نکل آتا ہے، شاہ صاحب

کے عربی الفاظ یہ ہیں کہ "**ان العبد لیخرج من ذنوبه کما یخرج التبر الاحمر من الکیر**" دنیاوی مصائب تو یہ کام کرتے رہتے ہیں، باقی اسی کے ساتھ اگر توبہ و استغفار نماز و روزہ وغیرہ جیسے اعمال میں بھی اگر وہ مشغول رہا یعنی جن اعمال سے گناہوں کے زہر کا ازالہ ہوتا ہے اور خبر دی گئی ہے کہ گناہوں کے کفارہ کا کام وہ دیتے ہیں ان کا اثر شاہ صاحب یہ بتاتے ہیں کہ "**رفع البلاء و تخفیفه**" میں ان سے مدد ملتی ہے بالفاظ دیگر یہ ہی مطلب ہوا کہ رفع بلا کے سوا سزا کی سخت شکلوں کو نسبتاً آسان اور کم تکلیف دہ سزاؤں کے قالب میں بھی اسی قسم کے اعمال بدلتے چلے جاتے ہیں دیکھو حجۃ اللہ البالغہ (صفحہ نمبر ۲۵ جلد نمبر ا مطبوعہ مصر باب الجزاء علی الاعمال فی الدنیا)

ایسی صورت میں بدکرداریوں کے نتائج ظاہر ہیں کہ جہنم سے ہٹ کر حشر و قبر میں بھی اگر کرنے والوں کے سامنے نہ آئے، تو **مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِهٖ** کے مجازات عام کے تحت مسلمانوں کو اسی دنیاوی زندگی کے مصائب و آلام ہی کی شکل میں اپنے اعمال کے خمیازوں کو بھگتنا پڑے گا، شاہ ولی اللہ نور اللہ ضریحہ نے یہ لکھ کر کہ امراض اور غم و حزن، خوف وغیرہ کے قالب میں ان سزاؤں کا ظہور کبھی ہوتا ہے، اور کبھی مسلمانوں کے مال و آل و اولاد کی تباہی کے رنگ میں، کبھی خود انسانوں کو یا فرشتوں کو یا جانوروں کو الہام ہوتا ہے، یعنی "**تارة فی اهله و ماله، و ربما الهم الناس و الملائکة و البهائم**" اور برے برتاؤ کے ساتھ مسلمانوں کے آگے وہ نمایاں ہوتے ہیں۔

شاہ صاحب نے مشہور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس میں آیا ہے کہ مومن (مسلمان) کی مثال کھیتوں کے ان پودوں جیسی ہے جنہیں ہوائیں کبھی ادھر گراتی ہیں اور کبھی ادھر گراتی ہیں وہ کبھی ان کو سیدھا کر کے کھڑا کر دیتی ہیں، تا اینکہ دنیا میں قیام کی جو مقررہ مدت ہے وہ پوری ہو جاتی ہے، برخلاف اس کے جو منافق (ہے) اور مومن نہیں ہے اس کی مثال صنوبر

کے اس اکڑے ہوئے درخت کے مانند ہے جو ہواؤں سے قطعا متاثر نہیں ہوتا، تا اینکہ ایک دفعہ اکھڑ کر زمین سے الگ ہوجاتا ہے۔

یعنی مَثَلُ الْمُؤمِنِ كَمَثَلِ الْخَامَةِ مِنَ الزَّرعِ يَفِيئُهَا الرِّيَاحُ تَطْرَحُهَا مَرَّةً وَتَعْدِلُهَا أُخْرىٰ حَتّٰى يَأْتِيَهُ اَجَلُهُ. وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الْاُرْزَةِ الْمَجْذِيَةِ الَّتِي لَا يُصِيبُهَا شَيْءٌ حَتّٰى يَكُونَ اِنْجِعَافُهَا مَرَّةً وَاحِدَةً۔

صحاح کی اسی حدیث سے مسلمانوں کی مجازاتی زندگی کی تشریح کی ہے۔ مطلب یہی ہوا کہ جہنم سے اپنا رشتہ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر توڑنے کا موقعہ آدم کی اولاد میں جن لوگوں کو میسر نہ آسکا، ان کے لئے تو کھلا میدان ہے مرنے سے پہلے بھی، مرنے کے بعد بھی، قبر میں بھی حشر میں بھی جسر پر بھی، اور بالآخر جہنم میں پہنچ کر بھی کافی گنجائش اپنے کرتوتوں کے خمیازوں کے بھگتنے کے لئے موجود ہے، یہاں نہیں تو وہاں، وہاں نہیں تو آگے اور بالآخر جہنم میں پہنچ کر مجازات کے قانون کے نتائج کو اپنے سامنے وہ پائیں گے، لیکن مومن کے لئے تو جہنمی سزاؤں کا کوئی موقع ہی باقی نہیں رہتا، پھر برائیوں کے ساتھ بھلائیوں کا سلسلہ بھی کسی نہ کسی طرح وہ جاری ہی رکھتا ہے، توبہ کرتا ہے، استغفار سے کام لیتا ہے، ان نمازوں کو بھی پڑھتا ہے جن کی خاصیت بتائی گئی ہے کہ ایک وقت سے دوسرے وقت تک کے وقفہ میں جو گناہ بھی سرزد ہوتے ہیں ان سے نمازی کو پاک کرتی رہتی ہے، پھر وضو کے آثار و نتائج بھی یہی بتائے گئے ہیں کہ پانی سے صرف بیرونی آلودگیوں ہی کی صفائی نہیں ہوتی بلکہ قرب حق کے باطنی احساس کے ساتھ چونکہ اعضاء کو وضو کرنے والا دھوتا ہے اس لئے باطنی اثر بھی وضو کا پڑتا ہے اور ہر عضو جو دھویا جاتا ہے اس عضو کے گناہ صاف ہوجاتے ہیں، حتی کہ گھر سے نماز کی نیت کر کے جو نکلتا ہے تو ہر قدم پر بتایا گیا ہے کہ ایک ایک گناہ کو اڑاتا چلا جاتا ہے، یہ

اوران کے سوااعمال واشغال کے دوسرے سلسلے ایسے ہیں جن سے گناہ کی روح پژمردہ ہوتی چلی جاتی ہے، ایسی صورت میں مجازات کا قانون مومن کے لئے صرف دنیاوی آلام و مصائب کے قالبوں میں منحصر ہوکر رہ جائے تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہئے۔ اوراسی سے اس اچنبھے کو بھی لوگ اپنے دلوں سے چاہیں تو دور کر سکتے ہیں، جو مسلمانوں کی ماضی وحال کی تاریخوں میں مصائب وآلام کا ہجوم نظر آتا ہے، پچاس سال بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر گزرنے نہ پائے تھے کہ واقعہ حرہ میں پیغمبر کے شہر میں قتل عام کی مصیبت ٹوٹ پڑی۔ تین دن تک مدینہ کے رہنے والوں کے مال کے ساتھ، جان کے ساتھ، ناموس کے ساتھ وہ سب کچھ کیا گیا جو درندہ یا جنگل کے جانور بن کر آدم کی اولاد کبھی کبھی کر گذرتی ہے، بلکہ اس سے پہلے بھی جمل وصفین وکربلا میں کیا کچھ نہیں دیکھا گیا، پھران مصائب کا سلسلہ کیا کسی صدی میں کبھی ٹوٹا ہے، لوگ گھبراتے ہیں کہ قدرت کے مسلمانوں کے ساتھ اس عجیب وغریب سلوک کی کیا توجیہ کی جائے، ان کے شاعروں کو نمرود کی خدائی کا دھوکہ ان کی بندگی پر بھی کبھی کبھی اس صورتحال کو دیکھ کر لگا (۴)۔ سوال یہی ہے کہ گذشتہ بالا قرآنی حقائق کا صحیح حدیثوں اور حکمائے اسلام کے افکار کی روشنی میں اگر مطالعہ کیا جائے تو مسلمانوں کے دنیوی مصائب کی توجیہ میں کیا کوئی دشواری باقی رہتی ہے،؟ کیسی عجیب بات ہے کہ رحمتوں کے مظاہر میں جو نہیں سوچتے ہیں ان کو زحمتوں کا زور نظر آتا ہے۔ کاش! علمائے امت مسائل کے سوال پر بجائے توبیخ وزجر کے فکر ومہر سے کام لیں، اور دنیا کی ایک قوم جو دوسروں کی نگاہوں میں **اضحوکۃ الامم** بنی ہوئی ہے اور اپنے مآل سے وہ خود مطمئن نہیں ہے، زندگی کا راز اس پر واضح کیا جاتا، عارف روم نے موزے کے تمثیلی قصے کا ذکر کر کے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ عقاب موزے کو لے اڑا لیکن زمین پر اسی موزے کو اوپر جا کر جب چھوڑا تو

اس سے ایک کالا سانپ نکل پڑا۔تب کہا گیا کہ

موزہ بربودی و من در ہم شدم
تو غم بردی و من در ہم شدم

اور آخر میں اسی سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

کان بلا دفع بلا ہائے بزرگ
واں زیاں منع زیان ہائے سترگ

لیکن ظاہر ہے کہ دنیا کے مصائب و آلام میں تخفیف وتحویل کی کارفرمائیوں اور ان کارفرمائیوں میں قدرت کے تکوینی مراحم کی قیمت کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جنھوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبی حدود کے حوادث وواقعات کے لئے عین الیقین بنایا ہے جہنم میں، جسر پر، حشر میں، قبر میں جن مہیب وجاں گسل مناظر سے انسانیت دوچار ہوگی عین الیقین کی اسی معصوم اور مقدس آنکھ سے آج بھی ان کا مطالعہ کر رہے ہیں، باقی اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے کی وجہ سے اور مسلمانوں کی جماعت میں شریک ہونے کے مجرم بن کر دنیا بھر کی مصیبتوں کو بھی جھیلتے چلا جانا، اور خود اسلام اور اسلام کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کو بھی اشتباہی ذہنیت میں شعوری یا غیر شعوری طور پر دفن کئے رہنا جن دین باختوں کی یہ حالت ہے واقعہ یہ ہے کہ دین ہی نہیں بلکہ وہ تو اپنی عقل کے ساتھ ہی کھیل رہے ہیں،

وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ۔

اپنے اس استفہامی معروضہ کو ختم کرتے ہوئے آخر میں چاہیے کہ اب تک جو کچھ کہا گیا اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ جہنم سے بے تعلق، قطعاً بے تعلق ہوجانے کے بعد مسلمانوں کو حق تعالیٰ کے فضل وکرم یا اپنے محبوب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور

دعاؤں کی ضرورت باقی نہیں رہی، واقعہ یہ ہے کہ جہنم سے پہلے سزاؤں کے مختلف منازل اور مختلف قالبوں میں ان کے ظہور کی خبریں جو دی گئی ہیں جیسے مکفرات یعنی اعمال صالحہ، توبہ واستغفار، صلاۃ وصیام، حج وزکوۃ وغیرہ ان سزاؤں کا قالب بھی اوران کا محل ومقام بھی تخفیفاً بدلتا ہو چلا جاتا ہے، جسر سے ہٹ کر حشر میں، حشر سے ہٹ کر قبر میں، قبر سے ہٹ کر خود اسی الحیاۃ الدنیا (پست زندگی) میں مجازات کا قانون اپنے قدرتی اقتضاء کو پورا کرتا ہے، اور دنیا میں بھی بڑی مصیبتوں کو نسبتاً ہلکی مصیبتوں کی شکل میں بدل دیا جاتا ہے، حتی کہ جوتر دد جوتیوں کے تسمے کے ٹوٹنے سے، کسی معمولی چیز کے تل پٹ ہو جانے یا رل مل جانے کی وجہ سے ہوتا ہے، یہاں تک کہ تحویل وتخفیف وتحویل کا قانون اترتے ہوئے چلا آتا ہے حتیٰ کہ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ خواب میں بھی موحش اور پریشان کن حالات تک کی شکل مجازات کا یہی قانون بھی کبھی اختیار کر لیتا ہے، گویا رؤیا میں اپنے کرتوتوں کی سزا بھگتنے والے بھگت لیتے ہیں، اسی طرح سزاؤں کی ان ہی منزلوں میں حق تعالی کی رحمت بھی دستگیری فرماتی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بھی اپنا کام کرتی ہے، بلکہ جرائم کے نتائج سے پاک ہونے کے بعد بہشتی زندگی سے استفادہ تو زیادہ تر فضل حق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبری کے ساتھ وابستہ ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

بینوا توجروا وعلی اللہ اجرکم۔(۴)

---

(۴) ماہنامہ برہان دہلی، جنوری ۱۹۴۹ء، اس موضوع پر شیخ اکبر کی تحریر کی تشریح بھی مولانا نے فرمائی ہے، جس اس کی تائید ہوتی ہے اس لئے یہاں درج کی جاتی ہے۔

اہل ایمان کے عذاب کی نوعیت

۱۶ اپریل ۱۹۵۰ء شیخ کی مجلس فتوحات میں حاضر ہوا، ارشاد ہو رہا تھا (باقی اگلے صفحہ پر)

کہ اہل ایمان کے عذاب کی نوعیت کیا ہے؟

آپ کا جو عام طریقہ ہے تقریر اسی خصوصیت کے ساتھ شروع ہوئی، تمہیداً فرمایا گیا کہ یہ آدمی کی روح در حقیقت عاقل، بالغ، عارف، مومن بن کر پیدا ہوئی ہے، مومن سے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کی ربوبیت اور توحید کا علم اس کو حاصل تھا، قرآن میں **فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا** اور حدیث میں **کل مولودٍ علی الفطرة** کا یہی مطلب ہے، درمیان میں **فابوَاهُ** والی حدیث کا ذکر کرتے ہوئے نکتہ کہتے چلے گئے ہیں کہ گو یتیم کا باپ نہیں ہوتا لیکن باپ کی جگہ جس کے بھی زیر پرورش ہوتا ہے وہی اس کا باپ ہوا، پھر رفع میں مقداری وسعت نہیں، اس پر شیخ نے بیان دیا اور تر وہی مشہور تقریر کی، امتداد کی صورت میں علم وجہل کا مختلف جز میں جمع ہوجانے کا احتمال پیدا ہوگا، حالانکہ بداہتہً آدمی پاتا ہے کہ معلوم معلوم ہے اور مجہول مجہول۔ بہرحال اگر اپنی ذات کا شعور روح کو نہ ہو تو حق تعالی کی ربوبیت کا اقرار وہ کیسے کرسکتی تھی، پس آدمی کی اصل حقیقت اس کی روح ہی ہے، پھر اس روح کو کسی بدن سے متعلق کردیا جاتا ہے جس کے ساتھ روح کا استقرائی تعلق ہوتا ہے، اور اس کی ملک میں بدن، بدن کے اعضاء دے دیئے جاتے ہیں، اسی بدن میں کچھ قوتیں اور آلات بھی ودیعت کردیئے گئے ہیں، جن میں بعض حسی اور بعض معنوی قوتیں ہیں، روح کو پھر حکم دیا کہ ان ہی بدنی قوی کی راہ سے علم حاصل کرے اور قوتوں کو ان حدود کا پابند ہو کر استعمال کرے۔

پھر ان آلات بدنی کے مختلف مراتب اور ان کی مختلف نوعتیں ہیں، قوی سب کامل ومکمل ہیں، بجز ایک خیال قوت کے کہ یہ غریب فطرتاً کمزور پیدا ہوئی ہے، اور حسی قوتیں بھی کمزور ہیں، ان دونوں یعنی خیالی اور حسی قوتوں کو جسم کا تابع بنادیا گیا، جسم جس حد تک بڑھے گا اور بڑا ہوگا ان قوتوں میں بھی اضافہ ہوگا، اس سلسلہ میں خیالی قوت کی ہمہ گیری پر شیخ نے کچھ باتیں فرمائیں کہ سامعہ باصرہ الغرض ہر حاسہ سے معلومات کو لینے کی اس میں صلاحیت ہے اور ان معلومات (باقی اگلے صفحہ پر)

پر قوت مفکرہ اور قوت واہمہ عمل کرتی ہے۔

بہر حال شیخ نے فرمایا کہ روح ان قویٰ سے جو استفادہ میں تابع جسم کے نہ رہتی تو پیدا ہونے کے ساتھ ہی ہر شخص مکلف ہو جاتا، مگر جسم کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے تکلیف کے لیے عمر کی ایک مدت مقرر کر دی گئی ہے، شیخ کے نزدیک سات سال کی عمر سے تکلیف کی مدت شروع ہو جاتی ہے اور قانونی مطالبات کے لیے بلوغ کی شرط لگائی ہے، مگر پھر بھی قتل جو بچپن میں ہوا ہو اس کو بلوغ کی حد تک قید کیا جاتا ہے، اور ولاۃ مقتول کے مطالبہ پر قتل کیا جاتا ہے۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ بچپن کے خیر وشر کا نتیجہ بھی سامنے آتا ہے خیر کا پھل تو آخرت میں ملتا ہے ،اور شر کا صرف دنیا میں۔

اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ:

”ومن عذاب المومن ماسلط اللہ علیھم من اصحاب الاھواء والکفار من الاسر والعذاب والاسترقاق و القتل فی الدنیا کل ھذا ایکفر لھفوات وزلات نفسیة و حسیة علی قدر ماوقع منھم“۔

”ایمان والوں کے عذاب ہی کی شکلیں کہ بدعقیدہ لوگوں اور اہل کفر کو ان پر مسلط کر دیا جاتا ہے یعنی ان کے قیدی بنا دیئے جاتے ہیں، دکھ ان کی طرف سے پہنچتا ہے، غلام ان کے بنا دیئے جاتے ہیں ،اور ان کے ہاتھوں قتل ہوتے ہیں، یعنی دنیا میں ان سزاؤں کے شکار ہوتے ہیں، مگر یہ سب اہل ایمان کی یاوہ گوئیوں اور نفسانی وحسی لغزشوں کی سزا ہوتی ہے“۔

پھر شیخ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ کفار جو کچھ کرتے ہیں وہ **الا لاجل ایمانھم** (یعنی ایمان ہی کی وجہ سے دشمنی کرتے ہیں)۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

آیت قرآنی [ہے] يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُواْ بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ (نکالتے ہیں جو رسول اور تم کو اس وجہ سے کہ تم نے مانا ہے اللہ اپنے پوسنے والے کو) اور وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ (نہ بدلہ لیا انہوں نے مگر اسی بات کا تم سے)۔

یہ بھی فرمایا وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُتَعَمِّداً کا ایک مطلب یہ بھی کہا گیا ہے کہ مومن کو ایمان کی وجہ سے جو قتل کرے گا اس کی سزا بیان کی گئی ہے۔ **ای قصد قتله لایمانه۔** یعنی مومن کے ایمان کی وجہ سے جو قتل کرے۔

پس تین باتیں معلوم ہوئیں۔

بچپن کے اعمال بد کی سزا اسی زندگی میں مومن کو ملتی ہے۔ (۲) اور اہل ایمان کو بداعمالی کی سزا کفار سے مغلوبیت وتباہی و بربادی سے اسی دنیا میں پہنچتی ہے۔ (۳) مسلمانوں کو غیر مسلموں سے اجتماعی مصائب جو پہنچتے ہیں اس کی وجہ بھی ایمان ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نجات المومنین

حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس ذات مقدس کی تعریف کیا ہوسکتی ہے جس نے اپنے بندوں کیلئے نجات کا طریقہ نہایت آسان کر دیا، اور ہماری ہدایت کیلئے ایسے رسول بھیجے جو عالم کیلئے رحمت ہیں، اُن پر اور ان کے آل واصحاب پر بے انتہا رحمت برسے، آمین، اسوقت میں اہم مشکل مسئلہ لکھتا ہوں، ناظرین غور سے ملاحظہ کریں، اگرچہ میں اس لائق نہیں کہ مسائل مشکلہ دینیہ میں کچھ لکھوں، اس کے لئے قوت جسمانی اور طاقت روحانی دونوں کی ضرورت ہے اور یہاں دونوں ضعیف ہیں، مگر ایسے دوست نے اپنے اطمینان کے لئے دریافت کیا کہ میں اپنا خیال ظاہر کرنے پر مجبور ہوگیا۔ میرے دوست نے دو باتیں دریافت کی ہیں۔ اول یہ کہ شرک کیا چیز ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کا قطعی ارشاد ہے کہ شرک کرنے والا نہیں بخشا جائے گا، بلکہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اس پر جنت حرام ہے، دوم یہ کہ حدیثوں میں آیا ہے کہ جو اقرار توحید اور تصدیق رسالت کرے اُس پر جہنم حرام ہے، وہ عذاب جہنم کا مزہ نہیں چکھے گا۔ ان حدیثوں سے ظاہر ہے کہ صرف ایمان کے سبب سے انسان کو نجات ہوگی، اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ گناہوں کی سزا جو قران وحدیث میں کثرت سے بیان ہوئی ہے وہ کیا ہوگی۔ اور اعمال شرعی بجالانے کی کیا ضرورت رہی۔ اس لئے شرک کے معنی اور احادیث بشارت کی توضیح کی جاتی ہے، مگر شرک کے معنی تو ہمارے علما نے بہت کچھ بیان کئے ہیں، یہاں تک کہ اردو رسالوں میں بھی اس کا بہت کچھ بیان ہو گیا ہے، اس لئے میں اسے مختصر احادیث مذکورہ کے ذکر میں بیان کردوں گا۔

اس مضمون کی حدیثیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نجات کا دارو مدار صرف ایمان

پر ہے اس کثرت سے آئی ہیں کہ اکابر نے انھیں متواتر لکھا ہے اور قرآن کی بعض آیات سے بھی ثابت ہوتا ہے چونکہ میرے دوست نے صرف حدیث پیش کی ہے اس لئے میں چند حدیثیں اس مضمون کی نقل کرتا ہوں، اور آخر میں ایک آیت اور حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا قول بھی نقل کروں گا۔ اس مضمون کی حدیثیں، دو قسم کی ہیں، بعض ایسی جن میں صرف اقرار توحید پر جنت کا وعدہ ہے یا اقرار توحید کے ساتھ تصدیق رسالت بھی شامل کی گئی ہے، اور دونوں کے بعد نجات کا وعدہ ہے، پھر بعض حدیثیں اس مضمون کی ہیں جو کہ اقرار توحید اور تصدیق رسالت کرے اس پر جہنم کی آگ حرام ہے، وہ جہنم کا مزہ نہ چکھے گا، پہلے اول مضمون کی بعض روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وَ أَنَّ عِيْسىٰ عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِنْهُ وَالْجَنَّةَ حَقٌّ وَالنَّارَ حَقٌّ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَاكَانَ مِنَ الْعَمَلِ

(۱) جس نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ یکتا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اور اس میں شبہ نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اس کا حکم ہے [کذا] جو مریم کی طرف بھیجا گیا، اور اسکی روح ہیں، اور جنت اور دوزخ کا ہونا حق ہے۔ اور جو یہ عقیدہ رکھے وہ جنتی ہے، اب اسکے عمل جیسے ہوں، تھوڑے ہوں، بہت ہوں، اچھے یا برے ہوں۔

(۲) اَتَانِىْ جِبْرِيْلُ فَبَشَّرَنِيْ أَنَّ مَنْ مَاتَ مِنْ اُمَّتِكَ لَا يُشْرِكُ بِا اللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَ إِنْ زَنَا وَ إِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنَا وَإِنْ سَرَقَ (بخاری

،مسلم-احمد عن ابی ذر)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور بشارت دی کہ تیری امت میں سے جو کوئی مرے اور شرک نہ کرتا ہو وہ جنتی ہوگا، میں نے دریافت کیا، اگر چہ اس نے چوری کی ہو، زنا کیا ہو، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر چہ اس نے چوری کی ہو یا زنا کیا ہو۔ تین مرتبہ اسی طرح فرمایا، امام بخاری کتاب الرقاق میں اس مضمون کو اس طرح نقل کرتے ہیں۔

(۳) قَالَ بَشِّرْ اُمَّتَكَ أَنَّهٗ مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِااللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ يَا جِبْرِيْلُ وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنَا قَالَ نَعَم، قُلْتُ وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنَا قَالَ نَعَم، قُلْتُ وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنَا قَالَ نَعَم، وَإِنْ شَرَبَ الْخَمَرَ (بخاری عن ابی ذر)

(۳) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جبریل نے کہا کہ اپنی امت کو بشارت دے دے کہ جو ایسی حالت میں مرے کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو وہ جنتی ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چہ اس نے چوری کی ہو، زنا کیا ہو، جبریل نے فرمایا کہ ہاں (تین مرتبہ یہ سول و جواب رہا، تیسری مرتبہ جبریلؑ نے یہ بھی کہا کہ) اگر چہ اس نے شراب پی ہو، غرضے کہ کوئی گناہ کیا ہو۔

اور امام بجاری اسی روایت کو کتاب الاستقراض میں انہیں ابو ذر سے اس طرح روایت کرتے ہیں۔

(۴) قَالَ أَتَانِیْ جِبْرِيْلُ فَقَالَ مَنْ مَاتَ مِنْ اُمَّتِکَ لَا يُشْرِکُ بِاللّٰهِ شَيْئاً دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَإِنْ فَعَلَ كَذَا قَالَ نَعَم، رسول اللہ صلی الہ علیہ سلم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور شرک نہ کرے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا گر چہ اس

نے ایسا ایسا کیا ہو، یعنی برے کام کئے ہوں، جبریل نے جواب دیا کہ ہاں۔

پہلی روایتوں میں اور اس میں فرق یہ ہے کہ پہلی روایتوں میں زنا اور چوری کی تخصیص کی گئی ہے اور اس میں عام برے کاموں سے [متعلق] سوال کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تخصیص مقصود نہیں ہے۔ اس مضمون کو صاحب مشکاۃ بخاری اور مسلم سے اس طرح نقل کرتے ہیں:۔

(۵) قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰی ذٰلِکَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَاِنْ زَنَا وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنَا وَاِنْ سَرَقَ، قُلْتُ وَاِنْ زَنَا وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنَا وَاِنْ سَرَقَ، قُلْتُ وَاِنْ زَنَا وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنَا وَاِنْ سَرَقَ، عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ (بخاری، مسلم عن ابی ذر)

(۵) ابوذرؓ کہتے ہیں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، آپ نے فرمایا کہ کوئی بندۂ خدا ایسا نہیں ہے کہ لا الہ اللہ کہے اور اسی پر مر جائے اور جنت میں نہ جائے، یعنی ضرور جائے گا، ابوذرؓ نے متعجبانہ عرض کیا کہ اگر چہ اس نے زنا کیا ہو، چوری کی ہو، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو، تین مرتبہ حضرت ابوذرؓ نے اس سوال کا تکرار کیا، اور تینوں مرتبہ حضور نے یہی جواب دیا۔

چونکہ حضرت ابوذرؓ کے خیال میں ایسے گنہگار کا بخشا جانا عجیب بات تھی، بلکہ ان کے نزدیک ایسا نہ ہونا چاہئے تھا، اس لئے تیسری مرتبہ حضور انور صلی علیہ الصلوۃ والسلام نے جواب دے کر فرمایا علی رغم انف ابی ذر یعنی زانی اور چور بھی بخشا جائے گا اگر چہ ابوذر ذلیل ہو۔

ان پانچ حدیثوں میں اس بات کی تصریح ہے کہ ایمان لانے کے بعد نجات کا پختہ وعدہ ہے، اب اس کے بعد عمل جیسے ہوں، اچھے، برے، تھوڑے بہت مگر وہ جنتی ہے،

بشرطیکہ موت کے وقت اقرار توحید وتصدیق رسالت ہو، اور اگر موت سے پہلے ایمان لا یا ہے تو موت کے وقت تک ایمان پر قائم رہے۔

پہلی حدیث میں تو صاف ارشاد ہے کہ **اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَاكَانَ مِنَ الْعَمَلِ** یعنی اللہ اُسے جنت میں لے جائے گا، اسکے عمل جیسے ہوں پچھلی چار حدیثوں میں اگر چہ ایسا کوئی لفظ عام نہیں ہے صرف چوری اور زنا کا ذکر ہے، مگر مقصود اس سے بھی یہی ہے، ورنہ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ تیسری حدیث میں جو حضور علیہ السّلام کے متعجبانہ سوال کے جواب میں حضرت جبریل کا یہ زیادہ کردینا کہ اگر چہ اس نے شراب پی ہو، اس کی اور بھی مدد کرتا ہے، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو زنا اور چوری کی نسبت دریافت فرماتے تھے، حضرت جبرئیل نے اس پر اضافہ کردیا جس سے صاف اشارہ ہوا کہ کوئی گناہ کیا ہو۔

شیخ الاسلام علامہ سبکی حدیث مذکور نقل کر کے طبقات میں لکھتے ہیں کہ یہاں صرف گناہوں کا ذکر ہوا، چوری کا اور زنا کا، اس میں یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ شرک وکفر کے علاہ کسی قسم کا گناہ کیا ہومگر وہ جنت میں جائے گا کیونکہ گناہ دو قسم کے ہیں، ایک حق اللہ دوسرا حق العبد، حدیث میں دونوں قسم کے گناہوں کا ذکر ہوا، زنا حق اللہ ہے اور چوری حق العبد ہے اور دونوں کی نسبت ارشاد ہوا کہ کچھ کیا ہومگر جنت میں جائے گا، یہ حدیثیں صاف شہادت دیتی ہیں کہ توحید اور رسالت کو مان لینے کے بعد اس کی نجات ہے، مگر یہ اقرار مرنے کے وقت ہو جیسا کہ آئندہ کی حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

(٦) مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رواہ مسلم واحمد عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ)

جو شخص مرے اور بالیقین جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ جنتی ہے۔

(۷) مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ (رواہ ابوداؤد) جس کا آخری کلام "لا الہ الا اللّٰہ" ہو وہ جنتی ہے۔

(۸) مَنْ لَقِيَ اللّٰهُ وَهُوَ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا جَعَلَهُ اللّٰهُ فِي الْجَنَّةِ (احمد)

جو اللہ سے ملے یعنی دنیا سے گزر جائے اور کسی قسم کا شرک نہ کرتا ہو، اسے اللہ تعالیٰ جنت میں پہنچائے گا، بخاری میں یہ الفاظ ہیں۔

مَنْ لَقِيَ اللّٰهُ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

جو اللہ سے ملے اور کسی طرح کا شرک نہ کرتا ہو وہ جنت میں جائے گا۔

حضرت معاذ نے سکرات کے وقت لوگوں کو اپنے پاس بلا کر اس حدیث کو بیان کیا۔

ان حدیثوں کا حاصل بھی یہی ہے کہ جس کا خاتمہ اقرار توحید پر ہو وہ جنتی ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر تمام عمر اقرار توحید کرے اور اس کا انجام اس قرار پر نہ ہو اس کے لئے یہ بشارت نہیں ہے۔

(۹) عن زيد بن خالد الجهنی قال اَرْسَلَنِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَشِّرَ النَّاسَ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ فَلَهُ الْجَنَّةُ..طبرانی (عن زيد بن خالد الجهني)

خالد جہنی کے بیٹے زید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا کہ لوگوں کو خوشخبری سنادو کہ جو گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، وہ جنتی ہے۔

اس پر غور کیا جائے کہ کس طور سے اس بشارت کا اعلان کیا جاتا ہے، ایک وقت یہ بشارت خاص لوگوں میں بیان کی جاتی تھی، جب قوت ایمان اور سمجھ میں ترقی دی گئی تو اس

بشارت کے عام اعلان کا حکم فرمایا، مذکورہ بالا احادیث میں غور کرنے سے شرک کے معنی کا بھی فیصلہ ہوجاتا ہے کیونکہ مثلاً آٹھویں حدیث میں یہ ارشاد ہوا کہ جو شرک نہ کرے وہ جنتی ہے، اور نویں میں جنت کی بشارت اسے دی ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو لائق عبادت جانے اس سے معلوم ہوا کہ شرک کرنا یہی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ جانے، اور دوسرے کو معبود جاننا شرک ہے۔

(۱۰) يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اِذْهَبْ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ فَمَنْ لَقِيَكَ مِنْ وَّرَاءِ هٰذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِناً بِهَا قَلْبُهٗ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ. (مسلم, ابو هريرة)

ابو ہریرہ میری جوتیاں لے جا اور اس باغ کے اس طرف جو تجھے ملے اور اللہ تعالیٰ کے معبود اور یکتا ہونے کی گواہی دے اور اس کے دل میں اس کا یقین کامل ہو، اس کو جنت کی بشارت دے دے۔

اس حدیث میں موحد کے عام طور سے جنت کی بشارت دینے کے لیے اعلان کا حکم اور اعلان کرنیوالے کے کلام کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے نعلین مبارک انھیں دے دی اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برہنہ پارہ گئے، یہ اہتمام لائق غور ہے۔

(۱۱) مَنْ شَهِدَ اَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصاً دَخَلَ الْجَنَّةَ (طبراني)

جس نے اللہ تعالیٰ کے معبود یکتا ہونے کی گواہی دی اخلاص کے ساتھ وہ جنتی ہے۔

اس حدیث کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اولاً انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فوراً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور اس حدیث کی تصدیق چاہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جوش کے ساتھ فرمایا، **صدق معاذ، صدق معاذ، صدق معاذ**، یعنی معاذ نے سچ کہا، معاذ نے سچ کہا، معاذ نے سچ کہا۔ حضرت

انس رضی اللہ عنہ کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر استعجاب ہوا تھا اس لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے قول کی صداقت ظاہر فرمائی۔

(۱۲) مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِخْلَاصُهَا أَنْ تَحْجُزَهٗ عَنْ مَّا حَرَّمَ اللّٰهُ (طبراني. زيد ابن ارقم)

جس نے اخلاص کے ساتھ اللہ کے معبود یکتا ہونے کا اقرار کیا وہ جنتی ہے، اور یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اخلاص یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ نے تم پر حرام کی ہیں ان سے تو باز رہے، یعنی اخلاص ایسی چیز ہے کہ جب دل میں ہوتا ہے تو بری باتوں سے خود یہ باز رہتا ہے۔

اگرچہ محدثین نے روایت کے لحاظ سے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے مگر معنی کے لحاظ سے صحیح معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ آئندہ بیان سے معلوم ہوگا۔ ان تین حدیثوں میں اقرار توحید کے ساتھ یقین قلبی اور اخلاص دلی کی بھی قید مذکور ہے اور آئندہ بھی کئی حدیثیں ایسی آویں گی جن میں یہ قید ہے اور مختلف عنوان سے یہ قید بیان ہوئی ہے، اس سے یہ تو بخوبی ثابت ہوا کہ صرف زبانی اقرار یا محض جان لینا کافی نہیں ہے، بلکہ یقین اور اخلاص کے ساتھ جاننا ضرور ہے، یہ ایسی قید ہے کہ عقل بھی اس کی صداقت کی کامل شہادت دیتی ہے، کیونکہ بغیر اخلاص اور یقین کے زبانی اقرار کرنا اور اُسے جاننا ایسا ہے، جیسا کوئی دوائی کے اثر کو بیان کرے یا اس کے خاصہ کو جان لے مگر اس کا استعمال نہ کرے، اس سے اُسے کچھ نفع نہیں ہو سکتا، اسی طرح اقرار توحید کو سمجھنا چاہیے جس وقت توحید دل میں اتر جائے گی اس وقت اسے کامل یقین اور اخلاص ہو جائے گا، اس وقت اس کا اثر یہ ہوگا کہ وہ جہنم کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ مگر یہاں غور کے لائق یہ امر ہے کہ یقین اور اخلاص کے مراتب ہیں اور ہر مرتبہ کے

آثار علاحدہ علاحدہ ہیں، مثلاً ایک صحابہ کرام کا یقین اور اخلاص تھا کہ کیسے کیسے اثرات اس پر ہوئے جنہوں نے ان کے حالات دیکھے ہیں اور وہ جان سکتے ہیں کہ انہیں اللہ اور رسول پر، جان و مال اور اولاد کو نثار کر دینا آسان تھا، تھوڑے حضرات نے دنیا میں اسلام کو پھیلا دیا۔ ایک یہ یقین ہے کہ باپ دادا سے سن کر توحید و رسالت کو مان لیا مگر کچھ ہو نہیں سکتا، ان دونوں ایمانوں میں ایسا ہی فرق ہوا جیسا کہ انسان اور تصویر انسان میں فرق ہے، اسی طرح ایک اقرار توحید اولیاء اللہ کا ہے اور انہیں ایک ذات کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا، ان کے رگ و پے میں توحید سمائی ہے۔ ایک مرتبہ یقین کا یہ بھی ہے کہ بلا دلیل اور بغیر کسی برہان کے ان کے دل میں توحید اور رسالت کا یقین ایسا جوش مارتا ہے کہ دلیل پیش کرنا کیا معنی، دلیل سننا بھی انہیں ناگوار ہوتا ہے اور دلی حقارت سے کہہ دیتے ہیں۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود　　　پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

اس یقین اور اخلاص کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف ان سے ہو ہی نہیں سکتا، اس مقدس ذات کے ایسے عاشق اور مطیع ہو جاتے ہیں کہ اس کی اطاعت پر مجبور ہیں، اس کے خلاف کا انہیں خطرہ بھی نہیں آتا مگر شاذ و نادر، یہاں ہم کو خطرہ ہوتا ہے کہ ظاہری ایمان والے ہمارے برادر عجب نہیں کہ ہمارے بیان کو مہمل سمجھیں مگر ہم انھیں معذور سمجھتے ہیں، کیونکہ یہ امر کیفی کا وہی اقرار کرسکتا ہے جس پر وہ کیفیت گزری ہو یا انھیں سچا جانتا ہو، جن پر یہ حالت گذرتی ہے۔

ایک مرتبہ وہ بھی ہے کہ دلیلوں سے ایمان کو مضبوط کیا جاتا ہے۔ اس کا اثر یہ ہے کہ کسی وقت ایمان قوی ہو گیا اور کسی وقت ضعیف اور بعض وقت ندارد، کیونکہ مقابلہ کے وقت اگر مقابل ضعیف ہے اور یہ دلیل میں غالب آگیا تو ایمان قوی ہو گیا، اور اگر کسی نے قوی شبہ

کیااور یہ کافی جواب نہ دے سکے تو ایمان ضعیف ہو گیا، اور اگر مقابل کا علم زبردست ہے، تقریر یا تحریر میں بہت زیادہ ملکہ رکھتا ہے تو ممکن ہے کہ اپنی تقریر یا تحریر سے اس کے ایمان کو زیروزبر کردے اور ہوا کی طرح اُڑادے۔

اب غور طلب یہ امر ہے کہ آیا کل مراتب ایمان پر نجات کا وعدہ ہے یا کوئی خاص مرتبہ مراد ہے، یہ مسئلہ مشکل ہے۔ الفاظ احادیث کا مقتضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ دلی تصدیق کے بعد اسے نجات ہے اس کے بعد جس قدر تصدیق کے مراتب میں ترقی ہوگئی اسی قدر مدارجِ جنت میں اسے ترقی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

اب دوسری قسم کی حدیثیں بیان کی جاتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو توحید و رسالت کا اقرار کرے اور شرک سے باز رہے اُس پر آتش جہنم حرام ہے، اس پر جہنم کا عذاب نہ ہوگا۔

(١) مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهٖ إِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ (بخاري، مسلم، احمد، انس ابن مالک)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذؓ کو تین مرتبہ آواز دی، اور تینوں مرتبہ انھوں نے جواب دیا، تیسری مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی صدق دل سے گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اللہ اسے جہنم پر حرام کردے گا، یعنی وہ جہنم میں نہ جائے گا۔

(٢) مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه صَادِقاً مِنْ قَلْبِهٖ ثُمَّ مَاتَ حَرَّمَ اللّٰه تَعَالٰى لَحْمَهُ عَلَى النَّارِ (عن معاذ)

جس نے سچے دل سے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی پوجنے کے قابل نہیں ہے اور

پھر اسی پر مر گیا، اللہ تعالیٰ اس کے گوشت کو جہنم پر حرام کر دے گا۔

(۳) إِنِّی لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُوْلُهَا عَبْدٌ حَقّاً مِنْ قَلْبِهٖ إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ وَهِيَ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه (ابن ماجه، احمد، ابن حبان، حاكم، عن عمرو عثمان)۔

یقین کرلو کہ میں ایک کلمہ جانتا ہوں جو کوئی اُسے دل سے حق جان کر کہے گا، اللہ اُسے جہنم پر حرام کر دے گا، یعنی جہنم کا عذاب اس پر نہ ہوگا، اور وہ کلمہ یہ ہے کہ اللہ کے معبود یکتا ہونے کی گواہی دینا۔

(۴) مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه مُخْلِصاً عَلٰى ذٰلِكَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ (طبرانی، دارقطنی، عن انس وعتبان)

جس نے اخلاص کے ساتھ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اسی پر وہ مر گیا، اللہ اس پر جہنم کی آگ حرام کر دے گا۔

(۵) إِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه يَنْبَغِيْ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ۔ (بخاری و مسلم۔ عن محمد بن الربیع وعتبان ابن مالک)

اس میں شبہ نہیں کہ جس نے اللہ کی رضا مندی کے لئے لا الٰہ الا اللہ کہا اس پر جہنم کی آگ اللہ نے حرام کر دی۔

ان حدیثوں کا یہ مطلب کہنا کہ ہمیشہ کے لئے انھیں جہنم میں رہنا حرام ہے یہ غرض نہیں ہے کہ مطلقاً وہ جہنم میں نہ جائے گا اگر چہ کیسا ہی گنہ گار ہو بلکہ یہ غرض ہے کہ اگر گناہ نہیں کیا یا گناہ کے بعد توبہ کر لی ہے تو اس پر جہنم کی آگ مطلقاً حرام ہے اور اگر گناہ کیا اور توبہ نہیں کی تو گناہوں کے سزا پانے کے بعد وہ جنت میں جائے گا۔ یہ مطلب علاوہ صریح الفاظ کے

خلاف ہونے کے ذیل کی حدیثوں کے بالکل خلاف ہے۔

(۱) مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه وَأَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ مُخْلِصاً مِنْ قَلْبِهٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَلَمْ تَمَسسهُ النَّارُ (طبرانی، بیهقی، ابن خزیمه)

جس نے صدق دل سے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور میں اللہ کا رسول ہوں وہ جنتی ہے اسکو آگ چھوئے گی نہیں۔ اس حدیث کے الفاظ سے بخوبی ظاہر ہے کہ جس نے اخلاص دلی سے اقرار توحید اور تصدیق رسالت کی وہ جہنم میں بالکل نہ جائے گا۔ جہنم کی آگ اُسے چھو نہیں جائے گی۔

(۲) قَالَ لِی جِبْرِیْلُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِكَ لَا یُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَلَمْ یَدْخُلِ النَّارَ قُلْتُ وَإِنْ زَنٰی وَإِنْ سَرَقَ قَالَ نَعَم۔ (بخاری عن ابی ذر رضی اللہ عنہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبریل نے مجھ سے کہا کہ تیری امت میں جو مرے اور شرک نہ کرتا ہو جنتی ہے، جہنم میں نہ جائے گا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو، چوری کی ہو یعنی فسق و فجور میں مبتلا ہوا ہو۔

(۳) مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه لَمْ یَدْخُلِ النَّارَ (طبرانی عن علی رضی اللہ عنہ)

جس کا آخر کلام لا الہ الا اللہ ہو یعنی زبان سے یہ کلمہ کہے اور اگر زبان سے نہ کہا مگر دل میں اس کے اس کی تصدیق ہے کہ اللہ کے سوا کوئی پوجنے کے لائق نہیں ہے، وہ جہنم میں نہ جائے گا۔

(۴) لَا یَشْهَدُ أَحَدٌ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه وَأَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَیَدْخُلَ النَّارَ أَوْ یَطْعَمَه (مسلم عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ)

سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرتے ہیں کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ کے معبود یکتا ہونے کی اور میرے رسول ہونے کی گواہی دے اور جہنم میں جائے۔ یعنی جو اقرار توحید اور تصدیق رسالت کرے گا وہ جہنم میں نہ جائے گا۔

ان چاروں حدیثوں میں نہایت صفائی سے بیان ہے کہ جو شرک نہ کرے، اور توحید وسالت کا مقر ہو وہ جہنم میں نہ جائے گا، اسے جہنم کی آگ چھوبھی نہ جائے گی، اب اس میں تاویل کرنا ایسا ہے جیسا ہر ایک گروہ نصوص صریحہ میں تاویل کر کے اپنے موافق کرتا ہے۔

ذرا الفاظ حدیث میں غور کیا جائے۔

(۵) قَالَ یَا مُعَاذُ هَلْ تَدْرِیْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلٰی عِبَادِهٖ وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰهِ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَی الْعِبَادِ اَنْ یَعْبُدُوْهُ وَلَا یُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَحَقَّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰهِ اَنْ لَا یُعَذِّبُ مَنْ لَا یُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا۔ (بخاری۔ مسلم عن معاذ ابن جبل)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اے معاذ تم جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے، اور بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے، معاذؓ نے جواب دیا، اللہ اور رسول زیادہ جانتے ہیں، حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو شرک نہ کرے، اللہ اس پر عذاب نہ کرے۔

(٦) مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ النَّارَ (مسلم۔ ترمذی - احمد عن عبادة)

جو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے رسول ہیں، جہنم کی آگ اس پر حرام ہے۔

(۷) مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ وَ اَوْجَبَ لَهُ الْجَنَّةَ

(احمد ابن حبان - ابن ابی شیبہ۔ طبرانی - عن سھیل ابن البیضاء)

جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اللہ اس پر جہنم حرام کر دے گا، اور بالضرور اُسے جنت میں لے جائے گا۔

جس وقت یہ حدیث ارشاد فرمائی ہے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے اور اس حدیث کے جو راوی ہیں سہیل وہ آپ کے ہمراہ اونٹ پر سوار تھے، جناب رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے تین مرتبہ آواز بلند سے حضرت سہیل کو پکارا ٹھہر ٹھہر کر، جو صحابہ قریب ساتھ چل رہے تھے وہ آواز سن کر کھڑے ہو گئے اور جو کچھ دور تھے وہ پاس آ گئے۔ سب نے یہ خیال کیا کہ ہم کو آپ بلاتے ہیں، جس وقت سب جمع ہو گئے اس وقت حضور انور علیہ الصلاۃ والسلام نے حدیث فرمائی جس طرح اس بشارت کے بیان کے لئے اس وقت اہتمام ہوا ہے اسی طرح کئی مرتبہ اس کے بیان میں اہتمام کیا گیا ہے مگر مختلف طور سے میں نے جا بجا اشارہ کیا ہے۔ غرض کہ اس امر پر غور کرنا چاہئے کہ اس بشارت کے بیان میں کس قدر اہتمام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ آخر کی سات حدیثیں نہایت صفائی سے یہ بتاتی ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کو ایک جانے اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول برحق مانے وہ جہنم میں نہ جائے گا، اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کا عذاب نہ کرے گا۔ اس مضمون میں یہ ساتوں حدیثیں پہلی حدیثوں کی تفسیر ہوں گی، اور ان سب حدیثوں کا حاصل اور نتیجہ یہ ہو گا کہ جہنم مخصوص ہے کفار اور منکرین سے، مسلمان اُس میں نہ جائیں گے۔ یہی

مضمون قرآن مجید کی متعدد آیات سے بھی ظاہر ہوتا ہے، اور اکابر علمائے امت محمدیہ کا بھی یہی ارشاد ہے۔

قرآن مجید کی آیتوں میں نہایت صریح اس مضمون کی سورہ واللیل کی یہ آیت ہے فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى، لَا يَصْلٰهَا اِلَّا الْاَشْقَى الَّذِيْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى۔ یعنی میں نے تم کو دہکتی آگ کی خبر سنادی، اس میں کوئی نہیں جائے گا مگر وہ بدبخت جس نے دین حق کو جھٹلایا اور اللہ و رسول سے منہ پھیرا۔ اس آیت نے یقینی طور سے ثابت کردیا کہ جہنم کی آگ کافروں کے لئے مخصوص ہے، اس آگ میں کفار اور منکرین ہی جائیں گے، کوئی مسلمان نہ جائے گا۔ اب قرآن وحدیث دونوں سے یہ مدعا یقینی طور سے ثابت ہو گیا کہ جو ایمان لے آیا اور مسلمان ہو گیا اس کی نجات ہے۔ اکابر اولیائے کرام میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں۔

واعلم ان دخول النار بالكفر وتضاعف العذاب وقسمة الدركات بالاعمال السيئة والاخلاق السيئة ودخول الجنة بالايمان وتضاعف النعيم وقسمة الدرجات بالاعمال الصالحة۔

اے مخاطب اسے خوب معلوم کرلے کہ جہنم میں جانا کفر کی وجہ سے ہے، اور عذاب میں زیادتی اور درکات جہنم کی تقسیم کافر کی بداعمالیوں اور برے اخلاق کے سبب سے ہوگی۔ اور دخول جنت کا مدار ایمان ہے اور اس کی نعمتوں کی زیادتی اور مراتب کی تقسیم نیک اعمال پر موقوف ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:

’’نزد فقیر عذاب دوزخ موقت باشد یا مخلد، مخصوص بکفر است و بصفات کفر، کما

سیجیٔ تحقیقہ‘‘۔

[یعنی فقیر کے نزدیک عذاب دوزخ موقت ہو یا مخلد، وہ کفر اور صفات کفر کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ اس کی تحقیق آگے آئے گی۔]

اس بیان سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ کلام خداوندی اور احادیث نبوی اور ارشاد کبار اولیائے امت محمدی اس پر متفق ہیں کہ مسلمان جہنم میں نہ جائے گا، عذاب جہنم کافروں سے مخصوص ہے واللہ الحمد۔

اس کے بعد مجھے یہ بیان کرنا ہے کہ اس مضمون میں جس قدر حدیثیں نقل کی گئیں ہیں، ان کے الفاظ اگرچہ مختلف ہیں، مگر سب کا حاصل یہ ہے کہ نجات کا مدار ایمان پر ہے، کسی عمل کی قید یا شرط اس میں نہیں ہے۔ یہاں میں یہ بھی دکھانا چاہتا ہوں کہ جو حدیثیں اوپر نقل کی گئیں، کس قسم کی ہیں، ان کے مضمون پر کہاں تک اعتماد ہوسکتا ہے۔ اس کی نسبت میں یہ کہتا ہوں کہ اس مضمون کو اتنے حضرات نے روایت کیا ہے کہ اس کی صداقت پر کسی کو شبہ نہیں ہوسکتا، مختلف طور سے مختلف حالتوں کے ساتھ روایت کرنے والے بیان کرتے ہیں، حدیث کے ماہرین یہ بھی معلوم کریں گے کہ مختلف اوقات کی حدیثیں ہیں، یعنی ابتدائے اسلام کی بھی ہیں اور درمیان کی اور آخر کی بھی، غرضکہ ہر زمانے کی حدیثیں ہیں، اگر ایمان کے علاوہ کوئی دوسری قید یا کوئی شرط ہوتی تو کسی نہ کسی وقت کسی صحابی کے روبرو تو حضور انور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صراحۃً یا کنایۃً بیان فرماتے، یہ کیونکر خیال میں آ سکتا ہے کہ عرصۂ دراز تک ایک عظیم الشان امر کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حالتوں میں اپنے اصحاب سے بیان فرمایا اور بعض بعض وقت نہایت اہتمام سے لوگوں کو متوجہ کر کے بیان کیا پھر وہ مضمون نا تمام رہا، دوسری جگہ سے کوئی قید یا شرط زیادہ کر کے اسے تمام کیا

جائے، یہ بات نہایت غور کے لائق ہے، جن اصحاب کرام نے یہ حدیثیں روایت کی ہیں ان میں سے میرے پیش نظر یہ حضرات ہیں:۔حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت ابودردا رضی اللہ تعالی عنہ۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت سلمہ بن نعیم رضی اللہ تعالی عنہ۔ حضرت ابوشداد رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت جریر رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت ابی عمرۃ انصاری رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت عمارۃ بن رویۃ رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت سہیل بن البیضاء رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت رفاعہ رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت سعید بن وائل رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالی عنہ۔حضرت محمود بن الربیع رضی اللہ تعالی عنہ۔

جس قدر اصحاب کرام کا میں نے نام لکھا ہے، اگر اتنے ہی راوی ہوں تو بھی بہت

ہیں کیونکہ مشہور جلیل القدر صحابہ اس میں موجود ہیں، اسی وجہ سے اکابر نے اس حدیث کو متواتر کہا ہے، یعنی اس مضمون کے صحیح ہونے میں شک وشبہ نہیں ہوسکتا، البتہ ان روایتوں میں چند امر غور کے قابل ہیں۔

پہلا امر، اکثر حدیثوں میں جنت کی بشارت صرف اقرار توحید اور شرک سے پرہیز پر ہے، رسالت کا اقرار ان میں نہیں ہے، ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے جو محض موحد ہو اور اقرار رسالت نہ کرتا ہو وہ بھی جنتی ہے، اور بہت سی حدیثوں میں اقرار توحید کے ساتھ تصدیق رسالت کو بھی ملایا ہے، جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صرف اقرار توحید نجات کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ اقرار توحید اور تصدیق رسالت دونوں کا ہونا ضرور ہے، اس اختلاف کی کیا وجہ ہے، اس کا جواب ہمارے علماء نے دیا ہے، خصوصا وہ جواب جو علامہ سبکی نے طبقات کبری میں دیا ہے اچھا ہے مگر میں یہاں وہ بیان کرنا چاہتا ہوں جو اللہ تعالی نے میرے دل میں ڈالا ہے۔

موحد کی کئی قسمیں ہیں:

ایک وہ جو ایسے مقام پر رہتا ہے کہ اسے کسی رسول کی خبر ہی نہیں پہنچی۔ **دوسرے** وہ کہ اسے خبر پہنچی تو مگر اس کے رسول ہونے کی کوئی دلیل اس کی سمجھ میں نہیں آئی، اگر چہ اس نے اپنے فہم وخیال کے بموجب بہت غور کیا۔ **تیسرے** وہ کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پہنچی مگر وہ ایسی جگہ ہے کہ منکرین کی وہاں کثرت ہے، سب کی زبان سے لڑکپن سے ہی سنتا چلا آیا ہے کہ جس طرح بہت سے جھوٹے نبی گزرے یہ بھی ویسا ہی ہے، اس کثرت افواہ نے اسے واقعی امر کی تحقیق کی طرف متوجہ ہونے نہ دیا، اور اس دھوکے میں وہ منکرین کے زمرے میں رہا۔

چوتھا وہ گروہ ہے جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کی خبر پہنچی اور آپ کے فضائل وکمالات کا بھی اسے علم ہوا، مگر کسی نفسانی غرض یا ذاتی تعصب نے اسے غور کرنے نہ دیا، یا غور کرنے کے بعد بھی وہ منکر رہا۔ ان چار قسموں سے پہلی قسم کے لیے تو نجات کے لیے بالاتفاق صرف اقرار توحید کافی ہے، کیونکہ تصدیق رسالت سے وہ بالکلیہ معذور ہے، دوسری اور تیسری قسم کے موحدین کی نسبت بعض اکابر کہتے ہیں کہ ان کے لیے صرف اقرار توحید کافی ہے، انھیں میں سے امام بخاری اور مسلم رحمہا اللہ کے استاد عبید اللہ عنبری اور امام غزالی رحمہ اللہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب اس نے کوشش کی اور امر حق تک پہنچنے سے معذور رہا یا دھوکے میں آجانے سے کوشش نہ کرسکا تو اب وہ خدائے تعالیٰ کی رحمت واسعہ کا ضرور مستحق ہے کیونکہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا) خدائے کریم کا ارشاد ہے۔

راقم سطور کہتا ہے کہ جس وقت اس ارحم الراحمین کی وسعتِ رحمت پر نظر کی جائے اور بندہ ضعیف کے عذر کو دیکھا جائے تو اس کی نجات کا پلہ غالب معلوم ہوتا ہے، اور جو حدیثیں صرف اقرار توحید پر نجات کی بشارت دے رہی ہے وہ بھی اس کی مؤید ہیں۔

اب باقی رہا چوتھی قسم کا موحد جس کا نفسانی خیال تصدیق رسالت سے مانع ہوا ہے۔ اس تمام تقریر کا حاصل یہ ہوا کہ نجات کے لیے اصلی امر یہ ہے کہ اقرار توحید اور تصدیق رسالت دونوں ضرور ہیں، مگر بعض وقت معقول عذر کی وجہ سے صرف اقرار توحید کافی ہوتا ہے، اس لیے سید المرسلین علیہ الصلاۃ والسلام نے کسی وقت اقرار توحید اور تصدیق رسالت دونوں پر نجات کو بیان فرمایا۔ اور کسی وقت صرف اقرار توحید کو موجب نجات فرمایا۔ غرض کے دونوں قسم کی حدیثیں اپنے اپنے موقعہ پر بلا تاویل ٹھیک ہیں، اس حبیب

کبریا کی عظمت وشان کا یہی مقتضا ہے کہ جو الفاظ جس طرح زبان مبارک سے نکلے ہیں ان کی سچائی بلا کسی ایر پھیر کے ظاہر ہو، کسی تاویل کی ضرورت نہ پڑے، جس طرح احادیث میں نجات کے لیے کہیں صرف اقرار توحید کو بیان کیا ہے اور کہیں اقرار توحید اور تصدیق رسالت دونوں کو، اسی طرح قران مجید میں بھی ہے، مثلاً سورہ نساء میں ارشاد ہے:۔فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ (سورۂ نساء ع ۲۴) یعنی جو اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوط پکڑے (یعنی کسی وقت نہیں ڈگمگائے) عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا، یعنی نجات دے گا۔

اور سورۂ حدید میں ہے:

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ (سورۂ حدید۔ع۲)

جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر وہی سچے ایمان والے ہیں، اور خدا پرست دیندار ہیں، جن کا قول وفعل لوگوں کے لیے دلیل ہے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ۔اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ

اپنے پروردگار کے بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف جھپٹو، جس کا عرض آسمان وزمین کی مانند ہے، وہ آراستہ کی گئی ہے ان کے لیے جو اللہ پر اور اس کے سارے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔

جس طرح مذکورہ حدیثوں میں جنت کے لیے عمل کی شرط بیان نہیں کی گئی، اسی طرح ان دونوں آیتوں میں بھی وہ شرط نہیں ہے۔صرف ایمان باللہ اور رسولوں کی تصدیق پر

مغفرت کا مدار بتایا ہے۔

دوسرا امر: جس قدر حدیثیں نقل کی گئیں، ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نجات کا مدار ایمان پر ہے، جو توحید و رسالت کی شہادت دلی تصدیق سے دیتا ہے وہ جنتی ہے، یہاں تک کہ اس پر جہنم کی آگ حرام ہوئی، اور ایسی نجات ہوئی کہ جہنم کی کوئی تکلیف اس پر نہ ہوگی، تو بداعمالی کی سزا جو قران و حدیث میں کثرت سے مذکور ہے وہ کیا ہوگی۔ جب اللہ تعالی نے صرف ایمان پر نجات کا وعدہ فرمایا اور خبر دی کہ آتش جہنم اس پر حرام ہے تو اب کسی گناہ کے سبب سے اس پر عذاب ہونا خلاف وعدہ اور اس کے فرمانے کے خلاف ہے۔ اس کے جوابات مختلف طور سے دیے گئے ہیں اور کتب احادیث میں مذکور ہیں، مگر میں ایسا جواب دینا چاہتا ہوں جس میں پھیر پھار اور تاویل نہ ہو، کیونکہ تاویل کر کے تو ہر شخص کھینچ تان کر اپنے خیال کے مناسب کرسکتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ امت محمدیہ کے مختلف فرقوں نے نصوص صریحہ کو تاویل کر کے اپنے موافق کرلیا ہے۔

میرے خیال میں نجات کے کئی طریقے ہیں:

ایک یہ کہ ایمان کے بعد سے ہر ایماندار کو کسی وقت اور کسی حالت میں کسی قسم کی سزا نہ ہو، ایسے نجات کا وعدہ کسی آیت وحدیث میں نہیں پایا جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ آخرت میں جہنم کے عذاب سے نجات ہو، اور اس کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ بداعمالی کی سزا پانے کے بعد نجات ہو، دوسرے یہ کے بغیر سزا پائے نجات مل جائے، اس قسم کے نجات کا وعدہ قرآن و حدیث میں بلاشبہ ہے، اور جو حدیثیں مذکور ہوئیں ان میں اسی قسم کی نجات مذکور ہے، چونکہ مذکورہ احادیث میں دو قسم کا وعدہ ہے، پہلا یہ کہ جو ایمان لایا وہ جنت میں جائے گا، یہ ایسا وعدہ ہے کہ اگر بغیر سزا پہلے ہی جنت میں اللہ

تعالی اسے داخل کردے تو بھی ہوسکتا ہے اور اگر سزا کے بعد جنت میں جائے تو بھی وعدہ کے خلاف نہیں ہے۔

دوسری قسم کا وعدہ یہ ہے کہ آتش جہنم اس پر حرام ہے، جہنم کی آگ اسے چھو بھی نہ جائے گی، یہ وعدہ بظاہر ان آیتوں اور حدیثوں کے خلاف معلوم ہوتا ہے جن میں گناہوں کی سزا مذکور ہے، مگر غور کرنے کے بعد مخالفت نہیں رہتی۔

اللہ تعالی نے انسان کے لیے چار عالم بنائے ہیں۔

اول دنیا، دوسرا عالم برزخ، جسے قبر بھی کہتے ہیں، تیسرا عالمِ قیامت، چوتھا عالم آخرت، ان چاروں عالم میں انسان کو جزا اور سزا ملتی ہے مختلف طریقے سے۔ البتہ عالم آخرت جزا اور سزا کے لیے بہت بڑی جگہ ہے، قرآن وحدیث میں جزا اور سزا کا ذکر دو طرح پر ہے، بعض مقام پر تو صرف اس قدر مذکور ہے کہ جو برا کام کرے گا وہ اس کا بدلہ پائے گا۔ ''مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِہٖ'' یہ الفاظ ایسے عام ہیں کہ اگر کسی عالم میں اسے بدی کا نتیجہ مل گیا تو وعید پوری ہوگئی، اس وعید کے پورا ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ جہنم کی آگ میں وہ ڈالا جائے، دنیاوی گناہ کے لیے اگر دنیا میں ایسی تکلیف پہونچے یا عالم برزخ میں اسے سزا دی جائے اور عذاب قبر ہو، جس کی میعاد اللہ ہی کے علم میں ہے تو بھی سزا ہوئی۔ اور اگر اس پر کفایت نہ ہو اور عالمِ قیامت کی سخت مصیبتوں میں مبتلا کیا جائے تو بھی بھاری سزا ہوئی، کیونکہ عالم قبر کی مدت اگرچہ غیر معمولی ہے مگر ہزاروں سیکڑوں برس سے کم نہیں ہے اور عالم قیامت پچاس ہزار برس کا ہے پھر دنیاوی زندگی جس کی معیاد غالبا سو دو سو برس سے زیادہ نہیں ہوتی، اس کے گناہ کی سزا کے لئے یہ تین عالم کافی ہوسکتے ہیں، اس کے بعد رحمت الہی جہنم کے عذاب سے اسے محفوظ رکھے تو بعید نہیں ہے۔

حضرت شیخ محی الدین اکبر فتوحات میں بیہقی سے ایک حدیث نقل کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ امت محمدیہ کے لئے آخرت میں عذاب نہیں ہے، دنیا کے مصائب اور تکالیف اس کے لئے عذاب ہیں؛ اس لئے ان حدیثوں کا مضمون بھی صحیح ہے جن میں ایمان دار کے لئے جہنم کو حرام فرمایا ہے اور گنہگار کے لئے سزا کا ہونا بھی بجا ہے، یعنی دنیا میں یا قبر میں یا حشر میں اپنے اعمال کی سزا اسے ملے گی، جہنم کے عذاب سے اللہ تعالیٰ اسے بچائے گا ۔البتہ اسکے بعد یہ شبہ باقی رہتا ہے کہ بعض آیتوں اور حدیثوں میں خاص گناہ کی سزا میں جہنم میں جانا آیا ہے، مثلا اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو قصدا بے گناہ مارڈالے اسے تو اس کی نسبت ارشاد خداوندی ہے۔ فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا یعنی اس کی سزا ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے۔

دوسرے مقام پر قرآن مجید میں آیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا

اے مسمانو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ اور نہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو، اور جس نے ظلم اور زیادتی سے ایسا کیا اسے ہم آگ میں ڈالیں گے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ جو کوئی ناجائز طریقہ سے کسی کا مال کھا جائے یا کسی مسلمان کو ناحق مارڈالے وہ آگ میں ڈالا جائے گا، صرف ایمان سے جہنم کی آگ سے وہ نہیں بچ سکتا، اس قسم کی آیت اور حدیث کے اس [کذا] میں غور کرنا چاہے کہ اللہ تعالی کا صریح اور صاف ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ اللّٰہ

مشرک کو نہ بخشے گا اور سوا اسکے جسے چاہے بخش دے۔

اس میں تمام گناہ شامل ہیں، اس آیت نے قطعی فیصلہ کر دیا کہ شرک کے سوا کسی گناہ کے لئے کوئی قطعی وعید نہیں ہے۔ جس گنہگار کو چاہے سفارش سے، بلا سفارش جس طرح چاہے بخش دے، اس سے زیادہ مسلمانوں کو امید دلانے والی اور نہایت مسرت بخش یہ آیت ہے، اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ میری طرف سے میرے بندوں سے کہہ دے کہ **يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ**۔

اے میرے گنہگار بندو! میری رحمت سے ناامید نہ ہو، اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخشے گا کیونکہ وہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت نے تو بخشش کو بہت ہی عام کر دیا۔ بھائیو! اس غفار کے دریائے رحمت وبخشش کا عظیم الشان سیلاب نظر آتا ہے، اور آیت کے الفاظ بتارہے ہیں کہ یہ سیلاب تمام گناہوں کو مثل خس وخاشاک کے بہالے جائے گا، اس میں کوئی گناہ نہیں ٹھہر سکتا (الذنوب کے استغراق اور جمیعاً کی تاکید کو ملاحظہ کیا جائے) اب اگر اس آیت کو پہلی آیت سے ملا کر غور کیا جائے تو بالضرور یہ فیصلہ معلوم ہوتا ہے کہ شرک کی مغفرت تو بغیر توبہ کے نہیں ہوگی، اور شرک کے سوا سارے گناہوں کو وہ محض اپنے کرم سے بخشے گا، اس کی تائید رسول کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام سے پورے طور سے ہوتی ہے۔ جہاں ارشاد ہے: **حرمه الله على النار** (اس کو اللہ تعالیٰ نے آگ پر حرام کر دیا)۔

یہ حدیث اور اس کے ہم معنی دوسری حدیث جو نقل ہو چکی ہے ان کو پیش نظر رکھ کر ان دونوں آیتوں کے معنی میں غور کیجئے، الفاظ قرآنی اور احادیث نبوی صاف طور سے بتارہی

ہیں کہ مسلمان کے گناہ توبہ اور بغیر توبہ ہر طرح بخشے جائیں گے اور اگر جہنم میں جانے کے بعد مسلمان نجات پائے تو وہ مغفرت نہ ہوئی، تفسیر روح المعانی ملاحظہ کیا جائے۔

اب جن آیتوں اور حدیثوں میں کسی گناہ کی سزا جہنم آئی ہے، اس کا یہ مطلب کہنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اس فعل کی شناخت اور سزا بیان فرمائی ہے تا کہ بندہ اس کو یقین کرے اور پھر نجات کے وقت اس کے فضل اور انعام کو ملاحظہ کرے کہ فقط ایمان کی وجہ سے اس کریم نے کس عظیم الشان تہلکہ سے اسے بچایا، جس کا یہ مستحق ہو چکا تھا، اس گنہگار کو جنت میں جانے سے پہلے صرف نجات کی بشارت سے جس قدر مسرت ہو وہ تھوڑی ہے۔

امام نووی حدیث ''مَنْ تَعَمَّدَ عَلَیَّ کَذِبًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ'' کی شرح میں لکھتے ہیں۔ **الحدیث ان هذا اجزاؤه وقد یجازی به وقد یعفو الله الکریم عنه ولا یقطع علیه بدخول النار، وھکذا سبیل لکل ماجاء من الوعید باالنار لأصحاب الکبائر الخ** ۔یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جس نے مجھ پر قصدا جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں ڈھونڈ لے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس گناہ عظیم کی جزا یہ ہے، اب اللہ تعالیٰ کسی کو یہ سزا دے گا، کسی کو معاف کر دے گا، جہنم میں جانا اس کا قطعی نہیں ہے ،اس کے علاوہ جتنے کبیرہ گناہ ہیں سب کی وعید کا یہی حال ہے کہ وہاں صرف اس گناہ کی سزا کا بیان ہے، یہ مطلب نہیں کہ قطعاً جہنم میں جائے گا۔

علامہ نوویؒ نے اس عقیدے پر امت کا اجماع بیان کیا ہے۔اس اجماعی عقیدہ سے بخوبی فیصلہ ہو گیا کہ جس آیت وحدیث میں کسی گناہ کی سزا میں جہنم میں جانا ہے اس کا مقصود یہ بتانا ہے کہ یہ اس کی جزا ہے، یہ مقصود نہیں کہ اس گناہ کی وجہ سے بالضرور وہ جہنم میں جائے گا۔

اس بیان سے تمام آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ میں اتفاق ہو جاتا ہے۔ البتہ

ایک شبہ اس پر یہ ہوتا ہے کہ جب گناہ کی وجہ سے کوئی جہنم میں نہ گیا تو معلوم ہو کہ ایمان کے بعد کوئی گناہ اسے مضر نہیں ہے، لہذا خوف وخطر کی ضرورت نہیں ہے، حالانکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ ایمان خوف اور امید کے درمیان میں ہے یعنی ایمان دار کے لئے امید اور خوف دونوں ہونا ضرور ہیں۔ اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ ایسا سمجھنا غلط فہمی پر مبنی ہے، مسلمان کسی وقت خوف ورجا سے خالی نہیں رہ سکتا، کئی وجہ سے ایک یہ کہ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ سزا کے لئے صرف جہنم متعین نہیں ہے بلکہ بعض قسم کی سزائیں عالم دنیا میں وعالم قبر میں اور عالم قیامت [میں] بھی ہوتی ہیں، پھر یہ کیا تھوڑی سزا ہے جس سے انسان کچھ خوف نہ کرے۔ فرض کرلو مسلمان پر جہنم کا عذاب نہ ہو مگر یہ تو کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہے کہ کسی طرح کا عذاب اس پر نہ ہوگا۔ جب کسی وقت میں عذاب کا خوف ہے تو معلوم ہوا کہ کسی وقت گناہ کا ضرر ظاہر ہوگا، پھر بے خوف ہونے کی کیا وجہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جن حدیثوں میں اقرار توحید اور تصدیق رسالت پر نجات کا دارومدار ہے ان میں یہ الفاظ بھی ہیں، **صِدْقاً مِنْ قَلْبِہٖ** یعنی سچے دل سے توحید اور رسالت کی شہادت دی۔ **مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مُخْلِصاً** یعنی جس نے اخلاص کے ساتھ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں، یہاں غور کیا جائے کہ اول تو خلوص دلی تصدیق کچھ آسان نہیں ہے، اس کے علاوہ دلی تصدیق کے مراتب ہیں، ایک اولیاء اللہ کی تصدیق ہے اور ایک عوام کی تصدیق، دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے، اب جس تصدیق پر نجات کا وعدہ ہے وہ کون سی تصدیق ہے اسکی تعیین مشکل ہے اسلئے ایماندار صرف اسی خیال کی بنا پر بے خوف نہیں رہ سکتا، اور اگر اس روایت پر نظر کی جائے جس میں دلی تصدیق کی یہ تفسیر آئی ہے کہ بداعمالی سے تجھے باز رکھے یعنی اخلاص اور دلی تصدیق اس مرتبہ کی ہو کہ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری

پر یہ شخص مجبور ہو، طبعی طور پر برے کاموں سے بچے، جب مسلمان اپنے اندر یہ حالت پیدا کرلے تو اس خوف کی بڑی تائید ہوجاتی ہے۔ یہ روایت پہلی قسم کی حدیثوں میں نقل کی گئی ہے اس روایت کو اگرچہ سند کے لحاظ سے ضعیف کہا ہے مگر خوف کیلئے حدیث ضعیف بھی کافی ہے، خصوصا اس وجہ سے کہ سند کے ضعیف ہونے سے یہ ضروری نہیں کہ فی نفسہ حدیث کا مضمون صحیح نہ ہو، غرض کہ مضمون کے صحیح ہونے کا احتمال ہے اور مسلمان کو خوف کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

تیسری وجہ [ڈرتے] رہنے کی یہ بھی ہے کہ بعض حدیثوں میں نجات کیلئے یہ قید ہے کہ یہ تصدیق موت کے وقت ہو اور بزرگوں نے اس قید کو ضروری قرار دیا ہے، اس لئے مسلمان کسی طرح خوف سے خالی نہیں رہ سکتا ہے، کیونکہ معلوم نہیں کہ انجام تک یہ تصدیق رہے گی یا نہیں۔ اس لئے بزرگوں کو کیا صحابہ نے بھی بعض وقت کہا کہ انجام بخیر ہونے کی دعا کرو۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ جب انسان برے کام میں مبتلا ہوجاتا ہے اور رفتہ رفتہ اس کی برائی اس کے دل میں نہیں رہتی تو ہر برائی پر اس کی جرأت ہوجاتی ہے۔ ایسی حالت میں ایمان کے جاتے رہنے کا خوف ہے، کیونکہ ظلمت اور نور ایک جگہ نہیں رہ سکتا۔

تیسرا امر: جب نجات کے لئے دلی تصدیق کافی ہے تو اعمال صالحہ اور احکام شریعت کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر خوب توجہ کرنا چاہئے کہ احکام شرعی سے دو عظیم الشان مقصود معلوم ہوتے ہیں۔ اول تو اس عالم کو تہذیب اور شائستگی سے آراستہ کرنا، اور آراستگی اس طرح ہو کہ دوسرے عالم جو اس کے بعد آنے والے ہیں اور انسان کو اس میں رہنا ہے اس میں اس کے لیے مضرت نہ ہو۔ یہی احکام ہیں جن سے فتنہ وفساد کا دروازہ بند ہوتا ہے،

انہیں پر عمل کرنے سے پورے امن وامان سے زندگی بسر کرسکتا ہے۔ انہیں اعمال کی پابندی سے انسان کا نفس نہایت مہذب اور شائستہ ہوجاتا ہے۔ یہ تہذیب ظاہری صرف دکھادینے کے لئے نہیں ہوتی بلکہ انسان کی اندرونی حالت ایسی آراستہ ہوجاتی ہے کہ اس کے خیالات اور تمام افعال عمدہ ہی ہوتے ہیں، مگر اتفاقاً کسی وقت کوئی بات ناشائستہ ہوسکتی ہے۔

دوسرے عالم آخرت میں دائمی زندگی کے مراتب عالیہ [تک] پہونچنا، یعنی دائمی عذاب سے نجات پانے کے لئے تو ایمان کافی ہے مگر دائمی راحت کے بہت [سے] مراتب ہیں ان پر پہنچنے کے لئے اعمال صالحہ کی ضرورت ہے، جس قدر نیک اعمال زیادہ کرے گا اسی قدر اس عالم میں مراتب عالیہ پر فائز ہوگا۔ اب ہر ایک انسان اپنے خیالات اور اپنے خواہشات کا پورا اندازہ کر کے کہہ سکتا ہے کہ شرعی احکام کی انسان کے لئے کس قدر ضرورت ہے، کوئی عقل انسانی ایسے احکام نہیں بیان کرسکتی جس کی وجہ سے دنیاوی تہذیب وشائستگی عالم آخرت میں بھی راحت کی زندگی کی ذمہ دار ہو۔

تمت بالخیر

وقل رب زدنی علما